Regd.# MC-1366

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہمِ دین

•جلد 12 / •شمارہ 4 / •اکتوبر / 2022

آمدِ مصطفیٰ ﷺ کا مقصد

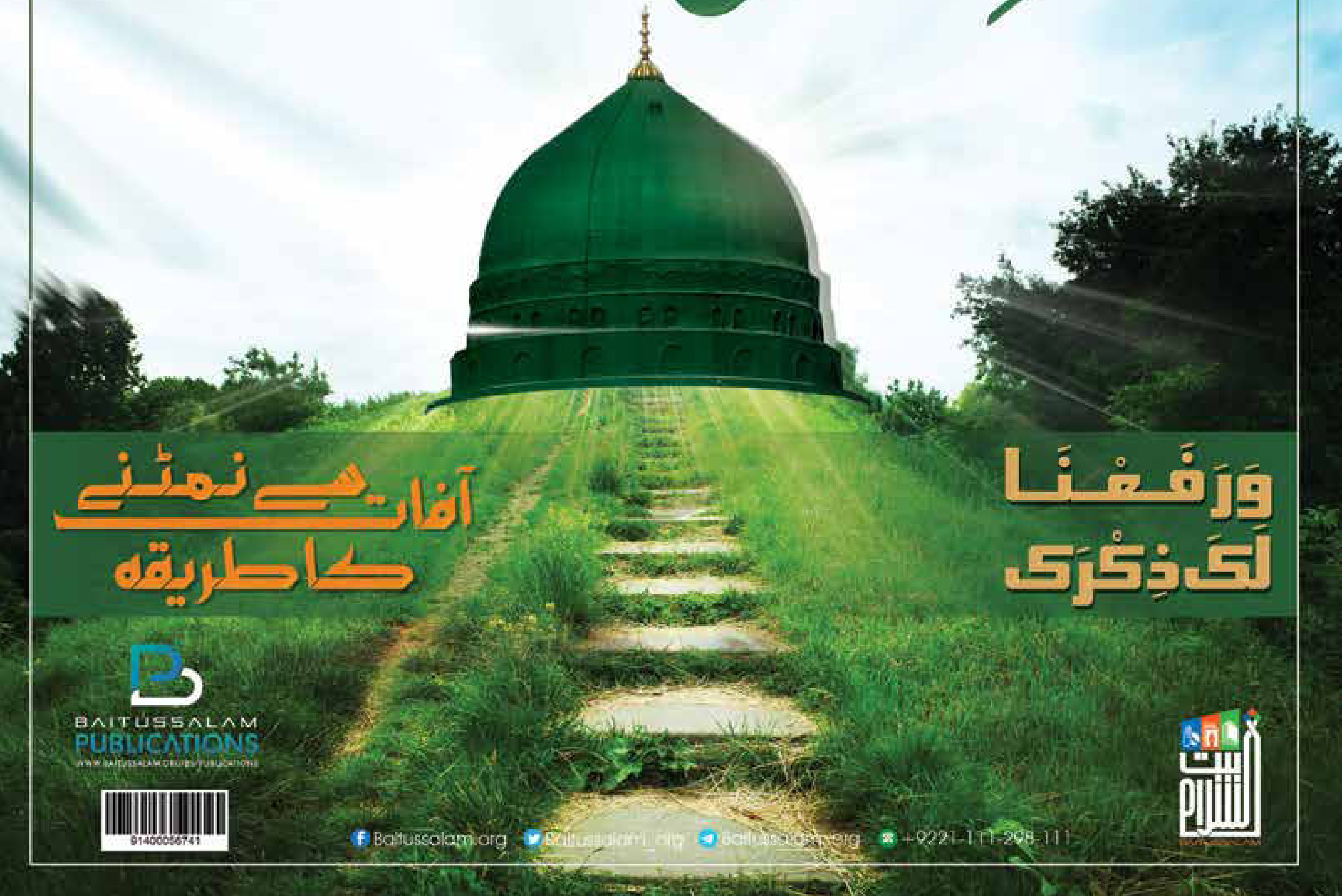

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

آفات سے نمٹنے کا طریقہ

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/BS/PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org · Baitussalam_org · Baitussalam.org · +9221-111-298-111

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

بحال پاکستان

آؤ کریں پھر سے آباد پیارے وطن کو۔!

BAITUSSALAM

مکانات، اسکولوں کی تعمیر اور روزگار کی فراہمی

Overseas donors

MONTHLY $ 10

YEARLY $ 120

ممبرشپ

ماہانہ 1000 روپے

سالانہ 12,000 روپے

ادائیگی کے 2 طریقے

1.

بیت السلام کے دفاتر میں ادائیگی

2.

تمام نئے ممبران کو 99911 سے ہر ماہ ایک پیمنٹ لنک کے ساتھ ایک SMS بھی موصول ہوگا، اگر پہلے ہی ادائیگی کر دی گئی ہو تو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ پے فاسٹ کے ذریعہ ادائیگی کے درج ذیل طریقے دستیاب ہیں۔

موبائل والیٹ

easypaisa, Upaisa, Zindigi

کارڈز

VISA, PayPak

بینک میں ڈائریکٹ ڈیبٹ کی سہولت دستیاب ہے

کسی بھی اے ٹی ایم جس میں 1LINK دستیاب ہو اور ایک / موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ / TCS سے ادائیگی کی جا سکتی ہے۔

اے ٹی ایم کے لیے

ATM مشین میں کارڈ اور پن نمبر ڈالنے کے بعد اس تسلسل سے آپشن منتخب کریں
bill payment >1bill Voucher / Invoice Payments>
99911 سے موصول شدہ واؤچر نمبر کا اندراج کر کے ادائیگی مکمل کریں

کسی بھی 1LINK سے جڑے والے بینک یا TCS پر جائیں، نمائندے کو بتائیں کہ آپ بیت السلام کو 1LINK اوپن واؤچر کے ذریعے ادائیگی کرنا چاہتے ہیں، 99911 کے ذریعے موصول ہونے والا واؤچر فراہم کریں، کیش فراہم کریں اور رسید لیں

موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ صارفین

اپنے اکاؤنٹ میں لاگ ان کریں، بل کی ادائیگی پر جائیں، 1LINK منتخب کریں، 99911 کے ذریعے موصول ہونے والے واؤچر کو داخل کریں۔

ایک بڑا منصوبہ

Baitussalam USA بیت السلام

PayPal

PayPal.me/BaitussalamUSA

Zelle

donation@baitussalamusa.org

رجسٹریشن کے 4 طریقے

- بیت السلام کے دفاتر
- بیت السلام موبائل ایپ
- بیت السلام ویب سائٹ
- 111 اور اپنا نام لکھ کر 83833 پر بھیجیں مثلاً 111 TALHA

ماہ نامہ
فہمِ دین
کراچی

اکتوبر 2022

فہم وفکر

آفات سے نمٹنے کا طریقہ	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

ورفعنا لك ذكرك	ام نسیبہ	10
علم کی اہمیت اور مدارس	عبد المتین	11
حیات طیبہ	عمارہ فہیم	14
حضرت ام اسحاق رضی اللہ عنہا	ندا اختر	15
دست اقدس کی برکت	حذیفہ رفیق	16
آنسو	بینش احمد	16
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	17
اٹلی	حکیم شمیم احمد	18
بلاعنوان	صبا مسعود	19

خواتینِ اسلام

تیرے عشق میں ہم نے۔۔	حفصہ فیصل	21
غلامی	روبینہ عبد القدیر	22
لوگ ٹوٹ جاتے ہیں۔۔	مہوش کرن	24
صدقے سے علاج	ارم شمیم	27
عہد جو ہم وفا نہ کر سکے	امۃ اللہ	27
بارھویں کا چاند	قرات گلستان	28
برگ وبار	عظمی ظفر	29
کرو مہربانی	نائلہ محمود	30

باغیچہ اطفال

کھیل کھیل میں	تنزیلہ احمد	32
یہ بھی اسوہ ہے	ام مصطفی	33
فیرولینڈ	احمد رضا انصاری	35
ایثار	بنت معود	36
زینب کا محل	سمیرا انور	37
خارپشت	فوزیہ خلیل	36

بزمِ ادب

اتنے سلام آپ پر جن کا نہ ہو سکے شمار	شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ	42
گلدستہ	شیخ ابو بکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

اخبار السلام	46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظرثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	فیضان الحق شیخ

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے

سالانہ اندرون ملک

عام ڈاک	750 روپے
رجسٹرڈ پیکٹ	1250 روپے
سالانہ بیرون ملک	55 ڈالر

ناشر	مطبع	مقام اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

آفات سے نمٹنے کا طریقہ

تصویر کا ایک رُخ بڑا تکلیف دہ ہے اور وہ تصویر نہیں، بلکہ پورا پاکستان ہے۔ کئی کئی فٹ پانی ہے اور صرف چند دیہات اور بستیاں نہیں، بلکہ شہر، تحصیل اور اضلاع سے کہیں آگے بڑھ کر صوبوں کے صوبے زیرآب آگئے۔ جہاں دیکھیں، پانی ہی پانی اور جہاں جائیں غمگیں وافسردہ چہرے، مدد کے لیے ترستی آنکھیں، بلبلاتے شیر خوار، حیران ونیم عریاں بچے، پریشان عورتیں، نڈھال بوڑھے، ہمت ہارتے جوان، اجڑے گھر، تباہ شدہ مکانات، بھوک سے لاغر جسم، پیاس سے سوکھتے حلق۔ کبھی آپ اس درد کا تصور کرسکتے ہیں کہ آپ کی ساری دُنیالُٹ چکی ہو اور آپ کے پاس بس دو اختیار ہوں کہ یا تو دو بچے کندھوں پر اٹھالیں اور یا آٹے کی ایک بوری۔ کیا یہ تصویر ہمیں جھنجوڑنے کے لیے کافی نہ تھی کہ دونوں ہاتھوں میں بوڑھی بیمار ماں کا جنازہ اٹھایا ہوا ہو اور چاروں طرف میلوں میل پانی ہو اور نڈھال بازوؤں اور غموں سے چُور چلا ہو ”اماں جی“ کو دفنانے کے لیے۔ ہاں یہ دردناک صورتِ حال ہے، مگر یہ پوری تصویر نہیں ہے، بلکہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔

تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے اور اُسی سے دِل کو کچھ آسرا ہوا۔ ننھی گڑیا ہے۔ ہاتھ میں غلک تھامے ہے۔ ”بیت السلام کی امدادی کیمپ“ پر پہنچی۔ رضاکار نے غلک پکڑا تو پتا چلا کہ بہت وزنی اور سکّوں سے بھرا ہوا ہے۔ رضاکار نے دھیمے لہجے میں پوچھا: گڑیا کیا کروں؟ توتلی سے آواز آئی: یہ اللہ کے لیے ہے۔ ایسے لگا جیسے کائنات تھم گئی ہو۔ گڑیا جاچکی تھی، لیکن کسی کو غلک توڑنے کی ہمت نہ ہوئی کہ یہ تو دکھوں کی ماری اس گڑیا کی امانت ہے جو سیلاب کے بیچ کسی بستی میں مدد کی منتظر ہے۔ دِل کو کچھ سہارا اس وقت بھی ملا جب کچرے سے کباڑ اُٹھانے والا چھوٹا بچہ آگے بڑھا اور ”بیت السلام کی امدادی کیمپ“ پر رکھے چندہ باکس میں دس روپے کا نوٹ ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ پھر کیا تھا چوکوں اور چوراہوں سے، گلیوں اور بازاروں سے بلکہ ہر ہر گھر سے امداد شروع ہوگئی۔ ماؤں بہنوں نے لباس، لحاف، برتن اور دیگر ضروریاتِ زندگی عمدہ سے عمدہ سیلاب سے متاثرہ اپنے ہم وطن بھائیوں کے لیے دیے۔ تاجروں نے خشک راشن، بیکری کی چیزیں، دوائیں، پینے کا پانی، کپڑوں کے تھان، اَن سلے سوٹ، جوتے دیے۔ ملکِ عزیز سے کنٹینروں کے کنٹینر تیار ہو کر سیلاب زدہ علاقوں میں پہنچنے لگے اور متاثرین کے چہروں پر خوشی نظر آنے لگی۔

قارئینِ گرامی! آفات اور تکلیفیں آتی ہیں، مگر اس سے قومیں تباہ نہیں ہوتیں، قومیں تب مٹ جاتی ہیں، جب غموں کے انبار تو ہوں، لیکن غموں میں سہارا بننے والا کوئی نہ ہو۔ ہمارے سامنے مؤاخاتِ مدینہ کی مثال موجود ہے۔ ہجرت سیلاب سے زیادہ مشکل کام تھا۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جانا تھا۔ یہاں تو پھر بھی کچھ عرصے بعد سیلابی علاقے آبادکاری کے قابل ہو جائیں گے، مگر ہجرت میں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سب کچھ چھوڑ کر آنا تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دِلوں پر طبعی گرانی نہیں ہوئی ہوگی۔ ہوئی ہوگی، مگر یہ غم تب نہ ہونے کے برابر ہو گیا، جب انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اُن کا سہارا بن گئے۔

قارئینِ گرامی! مجھے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا کہ بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے نے بھرپور مدد کی، لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ غم ہلکے تو ہوئے ہیں، مگر ختم نہیں ہوئے۔ ابھی تک تو ہنگامی مدد ہوئی ہے کہ بھوک پیاس مٹ جائے، سر چھپانے کو کوئی سائبان مل جائے اور زندگی بچ جائے اور بس۔ بستیوں کی بستیاں جو ملیامیٹ ہوگئی ہیں، وہ دوبارہ کیسے بنیں گی۔ کھنڈرات بنے مکانات دوبارہ گھر کیسے بنیں گے۔ آبادکاری کیوں کر ممکن ہوگی۔ یہ تو کئی مہینوں، شاید کئی سالوں کا کام ہے۔ میں صرف کہنا چاہوں گا کہ ہم اس درد کو اپنا دردِ دِل بنالیں۔ جو یک جہتی اس مشکل میں دیکھنے میں آئی، یہ ہمارا مستقل وظیفہ بن جائے۔ ہم ایک قوم بن جائیں۔ رب کے حضور گڑگڑائیں، ممکن ہے رب نے ہم سے کوئی بڑا کام لینا طے کررکھا ہو۔ مگر ایک قوم بن کر اپنے مفادات کو دَبا کر قوم کے مفاد کو سامنے رکھ کر کام کرنا ہوگا۔ بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ سے رابطے میں رہنا چاہیے، تاکہ جب بھی کسی خدمت کے لیے آواز لگے تو اس میں ہمارا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہو جائے۔ یہی وہ واحد راستہ ہے، جس سے ملکِ عزیز کو اس آفت سے نکالا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے وطنِ عزیز پاکستان، سیلاب سے متاثرہ ہمارے بہن بھائیوں اور ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

المائدۃ 1-3

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ (1)

ترجمہ: اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو۔ تمہارے لیے وہ چوپائے حلال کر دیے گئے ہیں، جو مویشیوں میں داخل (یا ان کے مشابہ) ہوں، سوائے ان کے جن کے بارے میں تمہیں پڑھ کر سنایا گیا جائے گا، بشرط یہ کہ جب تم احرام کی حالت میں ہو اس وقت شکار کو حلال نہ سمجھو، اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔ (1)

تشریح نمبر 1: چوپایا تو ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو چار ہاتھ پاؤں پر چلتا ہو، لیکن ان میں سے صرف وہ جانور حلال ہیں جو مویشیوں میں شمار ہوتے ہیں، یعنی گائے، اونٹ اور بھیڑ بکری یا پھر ان مویشیوں کے مشابہ ہوں، جیسے ہرن، نیل گائے وغیرہ۔

تشریح نمبر 2: ان حرام چیزوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر آگے آیت نمبر ۳ میں آ رہا ہے۔

تشریح نمبر 3: یعنی مویشیوں کے مشابہ جانور، مثلاً ہرن وغیرہ اگرچہ حلال ہیں اور ان کا شکار بھی حلال ہے، لیکن جب حج یا عمرے کے لیے کسی نے احرام باندھ لیا ہو تو ان جانوروں کا شکار حرام ہو جاتا ہے۔

تشریح نمبر 4: اس جملے نے ان تمام سوالات اور اعتراضات کی جڑ کاٹ دی ہے جو لوغ محض اپنی محدود عقل کے سہارے شرعی احکام پر عائد کرتے ہیں، مثلاً یہ سوال کہ جانور بھی تو آخر جان رکھتے ہیں، ان کو ذبح کر کے کھانا کیوں جائز کیا گیا، جبکہ یہ ایک جاندار کو تکلیف پہنچانا ہے یا مثلاً یہ سوال کہ فلاں کو کیوں حلال کیا گیا اور فلاں جانور کو کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟ آیت کے اس حصے نے اس کا مختصر اور جامع جواب یہ دے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا خالق ہے، وہی اپنی حکمت سے جس بات کا ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دے دیتا ہے۔ اس کا ہر حکم یقیناً حکمت پر مبنی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ اس کے ہر حکم کی حکمت بندوں کی سمجھ میں بھی آ جائے، لہٰذا بندوں کا کام یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کو چوں وچرا کے بغیر تسلیم کر کے اس پر عمل کریں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (2)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی کرو، نہ حرمت والے مہینے کی، نہ ان جانوروں کی جو قربانی کے لیے حرام لے جائے جائیں، نہ ان پٹوں کی جو ان کے گلے میں پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی خاطر بیت حرام کا ارادہ لے کر جا رہے ہوں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو اور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی کہ انھوں نے تمہیں مسجدِ احرام سے روکا تھا، تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (ان پر) زیادتی کرنے لگو اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ ظلم میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (2)

تشریح نمبر 5: صلح حدیبیہ کے واقعے میں مکہ مکرمہ کے کافروں نے آں حضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حرم میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روکا تھا، مسلمانوں کو طبعی طور پر اس واقعے پر سخت غم و غصہ تھا اور یہ احتمال تھا کہ اس غم اور غصے کی وجہ سے کوئی مسلمان اپنے دشمن سے کوئی ایسی زیادتی کر بیٹھے جو شریعت کے خلاف ہو، اس آیت نے متنبہ کر دیا کہ اسلام میں ہر چیز کی حدود مقرر ہیں اور دشمن کے ساتھ بھی کوئی زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (3)

ترجمہ: تم پر مردار جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کر دیا گیا ہے، جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو اور جسے کسی درندے نے کھالیا ہو، اِلَّا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کر چکے ہو اور وہ (جانور بھی حرام ہے) جسے بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ بات بھی (تمہارے لیے حرام ہے) کہ تم جوے کے تیروں سے (گوشت وغیرہ) تقسیم کرو، یہ ساری باتیں سخت گناہ کی ہیں۔ آج کافر لوگ تمہارے دین (کے مغلوب ہونے) سے ناامید ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے مت ڈرو اور میرا ڈر دل میں رکھو۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمشہ کے لیے) پسند کر لیا۔ (لہٰذا اس دین کے احکام کی پوری پابندی کرو) ہاں جو شخص شدید بھوک کے عالم میں بالکل مجبور ہو جائے (اور اس مجبوری میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے)، بشر طیکہ گناہ کی رغبت کی بنا پر ایسا نہ کیا ہو تو بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (3)

درود شریف دعا کی قبولیت کا وسیلہ

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اَنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان ہی رکی رہتی ہے اوپر نہیں جاسکتی جب تک کہ نبی پاک ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دعا کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے، وہ دعا کی قبولیت کا خاص وسیلہ ہے۔ حصن حصین

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

میں شیخ ابو سلیمان دارانیؒ سے نقل کیا گیا ہے، انھوں نے فرمایا کہ درود شریف (جو رسول اللہ ﷺ کے حق میں ایک اعلیٰ واشرف دعا ہے) وہ تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول فرماتا ہے، پھر جب بندہ اپنی دعا سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ کے حق میں دعا کرے اور اس کے بعد بھی دعا کرے تو اس کے کرم سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اول وآخر کی دعائیں تو قبول کرلے اور درمیان کی اس بے چارے کی دعا رد کردے، اس لیے پوری امید رکھنی چاہیے کہ جس دعا کے اول و آخر رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ بھیجی جائے گی، وہ ان شاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَقُوْلُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم مجھ پر درود بھیجو تو اس طرح کہا کرو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

تشریح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ درود میں رسول اللہ ﷺ کا نام پاک آپ کی امتیازی صفت اور خاص لقب "النبی الامی" کے اضافہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں آپ ﷺ کی یہ صفت ایک خاص نشانی اور پہچان کے طور پر ذکر کی گئی ہے اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ اس آیت میں اشارہ ہے کہ تورات وانجیل میں آپ ﷺ کا ذکر اس صفت کے ساتھ کیا گیا تھا "اُمّی" کے معنی ہیں "بے پڑھے لکھے" مطلب یہ ہے کہ جو علم و ہدایت آپ ﷺ لے کر آئے، وہ آپ ﷺ نے کسی استاد یا کتاب سے حاصل نہیں کیا ہے، بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے حاصل ہوا ہے، لکھنے پڑھنے کے لحاظ سے آپ ﷺ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ ظاہر ہے آپ ﷺ کی اس صفت اور اس لقب میں ایک خاص محبوبیت ہے اور اس چھوٹے سے لفظ میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی ایک بڑی روشن دلیل پیش کردی گئی ہے۔

دنیا میں کہیں بھی درود بھیجا جائے، رسول اللہ ﷺ کو پہنچتا ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِي السَّلَامَ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو دنیا میں چکر لگاتے رہتے ہیں اور میرے امتیوں کا صلاۃ وسلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

تشریح: ایک دوسری حدیث میں جس کو طبرانی وغیرہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، یہ بھی تفصیل ہے کہ صلاۃ وسلام پہنچانے والا فرشتہ بھیجنے والے امتی کے نام کے ساتھ صلاۃ وسلام پہنچاتا ہے، کہتا ہے: يَا مُحَمَّدُ صَلّٰى عَلَيْكَ فُلَانٌ كَذَا وَ كَذَا (اے محمد (ﷺ)! تمہارے فلاں امتی نے تم پر اس طرح صلاۃ وسلام بھیجا ہے) اور حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ وہ فرشتہ صلاۃ وسلام بھیجنے والے امتی کا نام اس کی ولدیت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، یعنی حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرتا ہے: يَا مُحَمَّدُ صَلّٰى عَلَيْكَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ کتنی خوش قسمتی ہے اور کتنا ارزاں سودا ہے جو امتی اخلاص کے ساتھ صلاۃ وسلام عرض کرتا ہے، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں اس کے نام اور ولدیت کے ساتھ فرشتے کے ذریعے پہنچتا ہے اور اس طرح آپ ﷺ کی بارگاہِ عالی میں اس بے چارے مسکین امتی اور اس کے باپ کا ذکر بھی آجاتا ہے۔

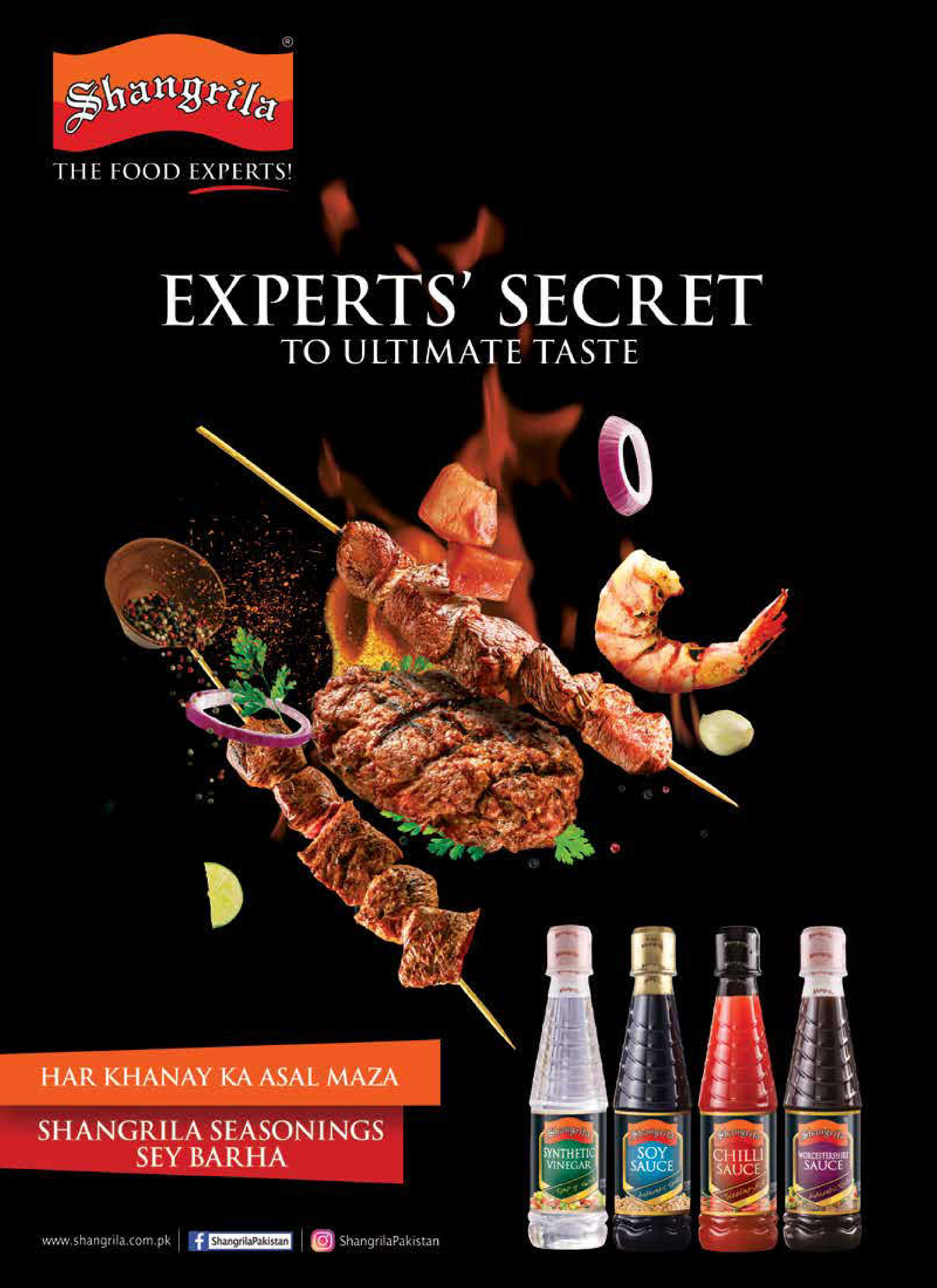
Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
EXPERTS' SECRET
TO ULTIMATE TASTE
HAR KHANAY KA ASAL MAZA
SHANGRILA SEASONINGS
SEY BARHA
SYNTHETIC VINEGAR
SOY SAUCE
CHILLI SAUCE
WORCESTERSHIRE SAUCE
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

آمدِ مصطفیٰ ﷺ کا مقصد

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

روشن خیال وروشن ضمیر

آپ ﷺ کی آمد اس لیے ہوئی ہے، تا کہ آپ اندھیروں سے دنیا کو روشنی کی طرف لے کر آئیں، وہ اندھیرے جسے جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تاریک دور میں خیالات بھی تاریک تھے، جب آپ تشریف لے آئے اور آپ کی تعلیمات کا نور پھیلا تو وہ دور روشن دور ہوا اور اس دور کے لوگ بھی روشن خیال ہوئے، وہ روشن خیال بھی تھے، روشن ضمیر بھی تھے، کردار بھی ان کا بڑا روشن تھا، ان کا کریکٹر اور سیرت بھی بڑی پُرنور تھی۔

جاہلیت اولی

اللہ تعالی فرماتے ہیں: ہم نے آپ کو بھیجا ہے، تا کہ لوگوں کو آپ اندھیروں سے روشنی کی طرف لے کر آئیں تو وہ اندھیرے جسے ہم تعبیر کرتے ہیں جاہلیت سے، تاریک دور سے۔ قرآن میں یہ بات بتلائی کہ جاہلیت اولیٰ اور عربی میں جہاں اولی آتا ہے، اس بات کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ یہ جاہلیت کا دور پھر آئے گا۔ نبی علیہ السلام کی تعلیمات کا نور آنے سے پہلے دنیا تاریکی میں تھی۔ جاہلیت کا دور تھا اور جہاں سے نبی ﷺ کی تعلیمات کا نور نکلے گا، وہ دور پھر جاہلیت کا ہو جائے گا۔ وہ زندگیاں پھر تاریک خیال زندگیاں ہوں گی، وہاں کی زندگی پھر جاہلیت کی زندگی ہو گی۔

جانچ اور پرکھ

اب ہم دیکھیں کہ آپ کی آمد سے پہلے وہ کون سی تاریکیاں تھیں، وہ کون سا جاہلیت کے دور کا نقشہ تھا، وہ کون سے اندھیرے تھے، جسے قرآن کہتا ہے

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

آپ دنیا کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لے کر آئے۔

ہمیں جانچنا اور پرکھنا چاہیے کہ آج پھر کہیں ہم ان اندھیروں میں تو زندگی نہیں گزار رہے اور وہ جو قرآن نے ایک پیشین گوئی کی ہے کہ وہ دور پھر جاہلیت کا ہوگا، کہیں پھر وہ دور آ ہی تو نہیں گیا۔

شرک کی تاریکی

رسول کریم ﷺ کی آمد سے پہلے دنیا کا عالم یہ تھا کہ دنیا میں شرک موجود تھا اور اللہ فرماتے ہیں

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

شرک بہت بڑا اندھیرا ہے، شرک بہت بڑا ظلم ہے، شرک بہت بڑی تاریکی ہے، یعنی وہاں شرک کے اندھیرے موجود تھے اور آج اس دور کے اندر بھی شرک کی نہ جانے کتنی شکلیں موجود ہیں۔ وہاں مجسمہ سازی تھی، بڑے بڑے مجسمے لگائے جاتے تھے، بڑی بڑی مورتیاں لگائی جاتی تھیں، ان کے گھر تصویروں سے اور مجسموں سے خالی نہیں ہوا کرتے تھے اور آج پھر دیکھیے مجسمہ سازی اور تصویر سازی کا کیا دور لوٹا ہے۔

کتوں سے محبت

جاہلیت کے اس دور کے اندر کتے سے بڑی محبت تھی۔ رسول کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اس حالت کو دیکھ کر فرمایا: "جس کتے کو دیکھو اسے مار دو" صحابہ فرمانے لگے: "کوئی عورت دیہات سے آتی اور اس کے ساتھ اس کا کتا ہوتا اور دیہات میں کتے کی ضرورت پڑتی ہے تو ہم اسے بھی مار ڈالتے، پھر رسول کریم ﷺ اس میں نرمی لائے فرمایا: "اب صرف کالے کتے کو مارنا ہے۔" پھر جب دیکھا کہ اب مسلمانوں کے دلوں سے اس کی محبت کم ہو گئی ہے تو آپ ﷺ نے فرمادیا اب یہ دیکھنا کہ یہ جس برتن میں منہ ڈالے تو وہ پاک نہیں ہوگا، جب تک کہ تم اسے سات مرتبہ نہ دھولو، ایک مرتبہ مٹی سے مانجھ لینا اور اسے سات مرتبہ دھولینا، پھر پاک ہوگا اور بتادیا کہ اس کا لعاب جہاں بھی لگے گا وہ جگہ ناپاک ہو جائے گی۔ رسول کریم ﷺ نے اس کی نفرت اتنی دلائی کہ میں زندگی بھر اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا، جس گھر میں کتا ہوگا۔ اس جاہلیت کے دور میں شرک تھا، مجسمہ سازی تھی، کتوں سے بہت پیار تھا تو جاہلیتِ اولی بھی کیا کتوں سے پیار کرے گی، جتنا آج کی جدید جاہلیت کتوں سے پیار کرتی ہے۔ جتنا اس دور میں کتوں کے حقوق کا تذکرہ ہے اور اس کا تحفظ ہے، وہ جاہلیتِ اولی بھی کیا کرتی ہوگی۔۔۔۔

سود خوری

اس تاریک دور سے جس سے اللہ کے نبی نکالنے آئے، وہاں سود خوری تھی اور سود خوری پر فخر کیا کرتے تھے اور اس جاہلیت کے دور میں جو اندھیرے اور تاریکیاں تھیں، وہاں جوا کھیلا جاتا تھا اور آج معیشت میں جوئے کی کتنی شکلیں سرایت کر چکی ہیں۔ کتنی نئی نئی صورتیں ہمارے معاشرے میں رواج پا چکی ہیں۔ سود لینے والے کے لیے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: "سود لینے والا، سود کھانے والا اللہ کے غضب کا مستحق ہے" اور دوجگہ پر عجیب اللہ کی شان ہے، فرمایا: "جو سود خور ہے، اس سے بھی میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور جو میرے ولی اور پیارے سے دشمنی کرے اس سے بھی میری دشمنی کا اعلان

ہے۔" آپ کہیں گے کتنے سود خور ہیں اور کتنے اللہ کے پیاروں کے دشمن ہیں، لیکن اللہ کے اس اعلانِ جنگ کا اثر تو نظر نہیں آتا، یہ تو پھر بھی کھا رہے ہیں، پی رہے ہوتے ہیں، عیاشیاں کر رہے ہوتے ہیں دنیا میں دندنا رہے ہوتے ہیں، جو جنگ ہوتی ہے تو آپ جانتے ہیں سامنے والے کی سب سے قیمتی چیز لی جاتی ہے، دورانِ جنگ اس کی سب سے قیمتی چیز کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ کے یہاں سب سے قیمتی چیز اللہ کا دین ہے اور جو آدمی اللہ کے مقابلے میں جنگ کے لیے آئے گا۔ اللہ اسے لادین اور بے دین بنادے گا اور اس کا خاتمہ ایمان کے بغیر ہوگا، بغیر ایمان کے مرتا ہے جو اللہ سے اعلانِ جنگ سے تیار ہوتا ہے تو زمانہ جاہلیت میں سود خوری تھی، جوا تھا اور شراب نوشی تھی۔ رسولِ کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: پھر جاہلیت کا دور لوٹے گا، لوگ شراب پیئیں گے اور لوگ سود کھائیں گے۔ شراب پینا بھی اسٹیٹس بن جائے گا اور سود کھانا بھی فخر کی چیز بن جائے گی۔ یہ زمانۂ جاہلیت کی تاریکیاں ہیں، جس کے لیے اللہ کے نبی کی آمد ہوئی ہے کہ آپ انسانیت کو ان اندھیروں سے نکالیں اور۔۔۔۔

بے حیائی و عریانی

آپ جس اندھیرے سے نکالنے کے لیے تشریف لائے، انہی میں یہ بات بھی تھی

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ

وہاں عریانی تھی، وہاں بے حیائی تھی، اللہ کا کلام کہہ رہا ہے: تم جاہلیتِ اولیٰ کی طرح جہالت نہ کرنا، وہاں عورتیں بے پردہ ہوا کرتی تھیں، بے لباس ہوا کرتی تھیں، عریانیت ان کا امتیاز ہوا کرتا تھا۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ

تو اس جہالت کی طرف دوبارہ نہ جانا۔۔۔۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ

اللہ کے نبی آئے، انھوں نے سود کے اندھیرے سے انسانیت کو بچایا، ظلم کے اندھیروں سے بچایا، شرک کے اندھیروں سے بچایا، مجسمہ کے اندھیروں سے بچایا، کتوں کی محبت کی ظلمت سے بچایا اور بے حیائی اور فحاشی کے اندھیروں سے بچایا، سود خوری کے اندھیروں سے بچایا۔ اللہ کہتا ہے: کافر کیا چاہتے ہیں؟ طاغوت کیا چاہتا ہے؟

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ

طاغوت یہ چاہتا ہے کہ تم پھر ان اندھیروں کے اندر زندگی گزارنے لگو، پھر تم سود خور بن جاؤ، پھر تمہارے یہاں جوئے کے رواج ہو جائیں، پھر تمہارے معاشرے اور سوسائٹیوں میں کتوں سے محبت ہو جائے، پھر تمہاری تہذیب اور معاشرت بے حیائی اور فحاشی پر کھڑی ہو جائے، پھر تمہارے معاشرے کے اندر عریانی شروع ہو جائے،

جھوٹ، لوٹ مار

وہاں لوٹ مار تھی، وہاں جھوٹ تھا، وہاں دوسروں کے مالوں پر ناجائز قبضے تھے، وہاں دوسروں کے مال پر ناجائز تصرف تھا۔۔۔ بتایئے! آج دوسروں کا ناحق مال لینے کی کتنی شکلیں ہمارے بازاروں میں ہیں۔ آج ہماری سوسائٹیوں میں دوسروں کے ناحق مال لینے کی کتنی صورتیں موجود ہیں اور یہ بھولا بھالا مسلمان بھی بھولا بھالا ہے، اللہ کے نبی کیوں آئے تھے؟ اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالنے کے لیے۔۔۔ اس نادان نے یہ سمجھا شاید چراغاں کرنے سے ہم نے روشنی پوری کرلی، ہم نے سڑکیں روشن کرلیں، بازار روشن کرلیے، گھر روشن کرلیے۔ ارے نادان! اللہ کے نبی تو ضمیر روشن کرنے کے لیے آئے تھے، دلوں کو روشن کرنے کے لیے آئے تھے، کردار اور کریکٹر کو روشن کرنے کے لیے آئے تھے، سیرت اور اخلاق کو روشن کرنے کے لیے آئے تھے، اس نے بازار تو روشن کرلیے، لیکن جھوٹ کی ظلمت ختم نہیں کی، خیانت کی ظلمت ختم نہیں کی، سود خوری کی لعنت ختم نہیں کی، بے حیائی، فحاشی عریانی کی لعنت ختم نہیں کی اور یہ نادان سمجھنے لگا میں نے اللہ کے نبی کی محبت کا حق ادا کردیا۔

نبی ﷺ سے محبت کے تقاضے

نبی ﷺ سے محبت تب ظاہر ہوگی، جب ہماری زندگیاں ان تاریکیوں سے پاک ہو جائیں اور ہماری زندگیاں اپنے نبی کے اس نور کو پھیلانے میں صرف ہو جائیں، قربان ہو جائیں، یہ سچے نبی کی محبت کا تقاضا ہے، یہ نبی کی سچائی سے سچائی کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہماری زندگی ان اندھیروں سے پاک ہو جائیں، عریانیت سے پاک ہو جائیں، لوٹ مار سے پاک ہو جائیں، جھوٹ اور خیانت سے پاک ہو جائیں، بداخلاقی سے پاک ہو جائیں، شرک اور شرک کی رسم و رواج سے پاک ہو جائیں، بدعات کی ظلمتوں سے پاک ہو جائیں اور ہماری زندگیاں نبی کی اس پرنور تعلیمات کو اس کے فروغ کے لیے ہماری زندگیاں قربان ہو جائیں، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ نے بتایا کہ جاہلیتِ اولیٰ تھی اور اس جاہلیتِ اولیٰ کو میں نے ختم کیا ہے اور پھر جاہلیت اُخریٰ آئے گی اور اس جاہلیتِ اُخریٰ کو میری امت ختم کرے گی، میرے سچے پیروکار اور عشّاق اس جاہلیت اخریٰ کو ختم کریں گے۔ یہ اس امت کی ذمہ داری ہے اور رسولِ کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جب جاہلیت آیا کرتی ہے اور اندھیرے آیا کرتے ہیں، حق اور سچ کا پتا نہیں لگتا۔۔۔ حق اور باطل کا پتا نہیں لگتا، حق کیا ہے اور آپ نے بڑی دردناک خبر دی ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا: جب یہ جاہلیت کا دور ہوگا سود خور بھی ہوں گے، رشوت خور بھی ہوں گے، بدکاری بھی ہوگی، عریانیت بھی ہوگی، لوٹ مار بھی ہوگی، کرپشن بھی ہوگی، جب یہ اندھیرے ہوں گے پھر کیا ہوگا؟ پھر ایسا دور آئے گا، آدمی صبح مسلمان ہوگا اور شام ایمان سے خالی ہوگا، شام کو آدمی مسلمان ہوگا اور صبح آدمی غیر مسلم ہوگا، اسے اندھیروں میں پتا ہی نہیں لگے گا کہ ایمان دل سے نکل گیا ہے۔

بہت اہم بات

ایک بہت اہم حقیقت سمجھنی چاہیے، اللہ کرے ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ شیطان نے ایک سجدے کا انکار کیا، ایک سجدے کا حکم ملا سجدہ کرلو انکار کردیا، کیا کافر بن گیا؟ بس ایک سجدے کا انکار۔۔۔ اور میں فجر بھی نہ پڑھوں، ظہر بھی نہ پڑھوں، عصر بھی نہ پڑھوں، مغرب بھی نہ پڑھوں، عشاء بھی نہ پڑھوں، نہ جانے کتنے سجدے چھوڑتا ہوں، اگرچہ اسے کافر تو نہیں کہا جائے گا، لیکن اتنے سجدے چھوڑے یہ کتنا بڑا گناہ ہے، مرا تو اس بے نمازی کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ اس بے نمازی کی مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین ہوگی؟ یہ مرے گا، اس کے کفن دفن کا انتظام مسلمانوں کا سا ہوگا؟ شیطان نے ایک سجدے کا انکار کیا کافر ہوگیا۔ یہ مسلمان اتنے سجدے نہیں کرتا، پھر بھی مسلمان کہلایا۔۔۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ شیطان نے کہا تھا یہ جو اللہ کا حکم ہے ناں، یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ خلافِ مصلحت ہے کہ ایک چھوٹی چیز بڑی چیز کو کیسے سجدہ کرے، یہ خلافِ مصلحت ہے، سود خور ہو، شراب پیتا ہو، چوری کرتا ہو، ڈاکا مارتا ہو، بے نمازی ہو جب تک ان گناہوں کو گناہ سمجھے گا، جب تک بے پردگی اور عریانی کو گناہ سمجھے گا، شرمندہ ہوگا، اللہ غلط ہوگیا ہے مجھے توبہ کی توفیق دے دے، تب تک تو ان گناہوں کے ساتھ بھی وہ مسلمان ہی رہے گا، لیکن اگر کسی نے اللہ کے حکم کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ آج کے دور میں سود سے بچنا خلافِ مصلحت ہے، اگر یہ کہہ دیا آج کے دور میں چور کے ہاتھ کاٹنا خلافِ مصلحت ہے، آج کے دور میں زانی کی سزا کوڑے یہ خلافِ مصلحت ہے، آج کے دور میں قاتل کی سزا قصاص یہ خلافِ مصلحت ہے تو یہ رسول کریم ﷺ کی پُرنور تعلیمات کا انکار ہے اور جب اللہ اور اللہ کے رسول کی تعلیمات کا انکار کرتا ہے، پھر آدمی مسلمان نہیں رہتا، پھر مسلمان نہیں رہتا۔۔۔ اور رسولِ کریم ﷺ نے اسی خطرے سے آگاہ فرمایا: آدمی صبح مسلمان ہوگا، شام کافر ہوگا، شام مسلمان ہوگا صبح کافر ہوگا۔ اللہ کے احکام میں صرف کوتاہی نہیں کرے گا، انکار کردے گا۔ اللہ کے حکموں کو خلافِ مصلحت خلافِ عقل سمجھنے لگے گا، اس سے ایمان کا ذرہ اس کے اندر بھی نہیں رہتا۔ رسول کریم ﷺ کی آمد تھی اندھیروں سے روشنی کی طرف آنا۔۔۔ اللہ ہمیں اپنے نبی کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے، عمل کرنا آسان فرمائے۔ آمین!!!

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

اُمِّ نسیب

وہ جس نے انسانیت کے تنِ مردہ میں نئی روح پھونکی، وہ جس کا سینہ تجلّیاتِ قدسی کا یوں مہبط بنا کہ اس کی ضوفشانی تا قیامت بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھلاتی رہے گی، وہ جس کے انفاسِ طیب سے گلشنِ حیات مہک اُٹھا، وہ جس کی صداؤں نے جوہرِ انسانیت کو بیدار کیا، وہ جس کے رعب سے باطل آج تک کپکپا رہا ہے، جس نے مظلوم کو اُمید دلائی، جس نے ظالم کو للکارا، جس نے شرافت کو رفعت بخشی، جس نے کمزوروں کو حوصلہ دیا، جس نے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھا، بیواؤں کو حیاتِ نو عطا کی، علم کو تقدّس عنایت کیا، جہالت کی مذمّت دلوں میں راسخ کی، مخلوق کا ٹوٹا ہوا رشتہ ایک خالق سے جوڑا، دردر کی غلامی سے نجات دی، جس کے سجدے سے زمین کانپ اُٹھی، جس کی نگاہ اُٹھی تو فلک تھرا اُٹھا، جس نے اشارہ کیا تو درخت دوڑتے چلے آئے، جس کی انگلی تجلّی بار ہوئی تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا، جس کے نام کے تقدّس نے افریقا کے جنگلوں میں علم کی شمعیں فروزاں کیں، جس کے لفظ ایشیا کے میدانوں میں نورِ ہدایت کے مینار بن کر چمکے، جس نے قرونِ وسطیٰ کے تاریک یورپ کو عظمتِ انسانیت کی تابانیاں عطا کیں، اُسے جبریل علیہ السلام نے امام الرسل پایا، زمین وآسمان اس کی ختمِ نبوت کے شاہد ٹھہرے، خلّاقِ عالم نے سیّد الکونین قرار دیا اور عرشِ مقدّس سے روح القدس سنہری حروف، نورانی نقوش کے پیکر میں ڈھال کے لایا تو کائنات اس اعلانِ حق سے گونج اُٹھی کہ ”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“

”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ ذات کی رفعت کا بیان بھی ہے، سیرت کی علوّشان کا اعلان بھی ہے اور جبر واستبداد کے خلاف جِد وجُہد کا ترجمان بھی ہے۔

”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ ذات کی اس رفعتِ مقام کا بیان ہے کہ کائنات کا خاصہ اور عطر، انبیا کے طبقے میں پہلے آنے والوں نے ان کا نامِ نامی اسمِ گرامی ازل سے مسطور پایا، یہ آخر میں آکر پہلے آنے والوں کے امام ٹھہرے، پہلوں میں سے جو آیا ایک وقت کے لیے، ایک خطے کے لیے، وہ آخر میں آئے ہر وقت کے لیے، ہر خطے کے لیے، تمام انسانیت کے لیے، پہلے آنے والے جانے کے لیے آئے، وہ آئے تو صفحۂ حیات پر نقش ہو گئے، جسم مستور ہو گیا، مگر نظرِ کیمیا کا اثر وفیض تا قیامت جاری رہے گا، پہلے آئے تو انسانیت کے عروج کا سفر منزل بہ منزل گام بہ گام چلتا رہا، وہ آئے تو منزل نے خود بڑھ کر قدم چوم لیے، یہی راز ہے کہ پہلے آئے تو ہر ایک کے جانے کے بعد دوسرے ہم منصب جگہ لینے کو تشریف لے آئے، لیکن وہ آئے تو ان کے جانے کے بعد وہ سانچا ہی نہ رہا، جس میں آدم علیہ السلام کے فرزند نورِ ہدایت کے پیکر کی صورت ڈھل ڈھل کر نکلتے رہے، ان کے بعد کوئی ہم منصب تھا ہی نہیں تو آمد کس کی ہوتی، سو انھیں خاتم النّبیّین کہیے تو بجا، سیّد الاوّلین والآخرین کہیے تو بجا لیکن!!!! لیکن آیئے! قاسم العلوم والخیرات حجۃ اللہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیرِ بے نظیر کے آئینۂ حقیقت میں ملاحظہ کیجیے تو کیوں نہ مرکز دائرۂ رسالت کہیے اور جوہرِ نبوت کہیے، وہ اصل باقی فرع، وہ آفتاب باقی کرنیں، وہ مرکز باقی سیارے، وہ بدرِ کامل باقی ستارے جگمگ، وہ ابتدا باقی تضمین،، وہ انتہا باقی تمہید اس رفعتِ مقام کا بیان ہے۔۔۔

”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ سیرت کی اس علوّ شان کا اعلان ہے کہ جسے ہمرازِ اوّل، ہمدمِ اوّل، ہمسفرِ اوّل سیّدۂ کائنات خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زبان نے ”اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ“ (آپ رشتوں کو جوڑے رکھنے والے ہیں) ”وَتَحْمِلُ الْكَلَّ“ (کم زوروں کا بوجھ خود اُٹھا لینے والے ہیں) ”وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ“ (کسمپرس کی مدد کرنے والے ہیں) ”وَتَقْرِی الضَّیْفَ“ (مہمان نواز ہیں) ”وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ“ (مصائب میں مدد کرنے والے ہیں) سے بیان کر کے نتیجہ بھی سُنا دیا تھا کہ ”كَلَّا وَاللّٰهِ مَا یُخْزِیْكَ اللّٰهُ اَبَدًا“ (ہر گز کبھی اللہ آپ کو رسوا ہونے نہیں دے گا)

گویا سیّدۂ کائنات کی زبان اس وقت فطرت کے الہام سے بول رہی تھی۔

جس ماحول میں آپ کی بعثت ہوئی، وہ سماجی، معاشرتی، سیاسی، معاشی، مذہبی برائیوں سے پوری طرح آلودہ ماحول تھا۔ اس ماحول میں کوئی صدائے حق گو نجتی تو انسانی ذہن اس صدا کے الفاظ کا قیاس جس حد تک کر سکتا تھا، فاران کی چوٹی سے اُٹھنے والی وہ آوازِ حق ان میں سے کسی قیاس کے مطابق نہ تھی، خانۂ خدا میں بت پوجے جا رہے ہوں اور مذہبی اصلاح کی کوئی آواز اُٹھے تو یقیناً تردیدِ شرک اور توحیدِ ربانی ہی اس کی پہلی ترجیح ہونی چاہیے۔ سماجی بگاڑ میں انسان اصلاح کا سوچے تو اوّلین ترجیح ناحق قتل سے بچنے کی تلقین کو حاصل ہونی چاہیے، سیاسی اصلاح کی پہلی

بقیہ صفحہ 12 پر

علم کی اہمیت اور مدارس

اقسام، خصوصیات اور پس منظر

عبدالمتین

علم انسان کا وہ امتیازی وصف ہے، جس نے اسے فرشتوں پر فضیلت عطا کی اور معلّم وہ منصب ہے جسے سرورِ کائنات حضور ﷺ نے یہ فرما کر اپنے تعارف کے طور پر پیش کیا کہ "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" میں معلم اور استاذ بنا کر بھیجا گیا ہوں، حالاں کہ آپ ﷺ کی شخصیت ہمہ جہت شخصیت، آپ حاکم بھی تھے، خطیب و امام بھی تھے، قائد الجیش بھی تھے، خاندان کے سربراہ بھی تھے، لیکن ان سب کے باوجود آپ نے اپنا تعارف معلم کی حیثیت سے کرایا اور بجائے کوئی دوسرا منصب ذکر کرنے کے یہ واضح کر دیا کہ میں "معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہوں" اس ارشاد میں اہلِ علم کے لیے تعلیم وتربیت کی ضرورت واہمیت کا ایک پیغام بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ تعلیمی تربیتی حلقوں میں شرکت کی دعوت دیتے اور خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے، جب کہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی قرات، قلم اور تعلیم کے تذکرے پر مشتمل ہے، اس میں اقراء کا صیغہ ہمیں خداشناسی اور خود شناسی کی دعوت دیتا ہے۔ اسی لیے اسلام میں تعلیم کے مشغلے اور معلم کے منصب کو ہمیشہ عزت اور وقار کا مقام حاصل رہا ہے اور دنیا کے ہر حصے میں معلم کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور آج بھی ایک استاذ کی حیثیت اور مقام مسلم ہے۔

کسی بھی معاشرے کی حالت بہتر بننے کے لیے وہاں کے نظامِ تعلیم کا معیاری ہونا لازمی ہوتا ہے، قرآن وحدیث کی تعلیمات کا سہارا لیے بغیر اسلامی معاشرے کی بقا اور اس کے قیام کا تصور ممکن نہیں۔ اسلامی تعلیمات ہی پر کسی مثالی اسلامی معاشرے کی داغ بیل ڈالی جا سکتی ہے، چوں کہ قرآن وحدیث اسلامی تعلیمات کا منبع ہیں، اسی لیے علم اور اہلِ علم کی فضیلت، مقام اور ضرورت کو ان ہی دو ذرائع کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے۔

علم کی فضیلت، اہمیت اور اہلِ علم کا مقام و مرتبہ سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ علم کی بنیادی اقسام کو سمجھا جائے۔

1۔ علم نافع

2۔ علم ضار یعنی علم غیر نافع

کتاب وسنت اور حضورِ انور ﷺ کی تعلیمات کے مطابق جس علم کا حصول مقصد کی حیثیت رکھتا ہے، در اصل وہی علم "علم نافع" کہلاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ دعا فرماتے ہیں کہ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا" اے اللہ میں آپ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو نفع دینے والا ہو۔ اس مبارک دعا سے آپ ﷺ علم کی تخصیص فرما رہے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام "علم برائے علم" کے تصور پر زور نہیں دیتا جیسا کہ اس وقت ہمارے اکثر وبیشتر تعلیمی اداروں کا حال ہے، جہاں ایک نونہال اپنی عمر کی قیمتی گھڑیاں گذارنے کے باوجود صرف یہی سیکھ پاتا ہے کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ مادّیت کا بازار گرم کرنا ہے، اس کے لیے کیا کچھ دوڑ دھوپ کرنی ہے اور کس طرح اس زندگی کے گرد آسائشوں کے انبار لگانے ہیں، اس کی کل کائنات دائرۂ علم کی بجائے کثرتِ مال واسباب اور معاشی استحکام کے نعروں تلے دبی رہتی ہے۔

تصورِ علم

شریعتِ مطہرہ علم کی حقیقی قدر ومنزلت کے پیشِ نظر علم کا وہ تصور پیش کرتی ہے، جسے "علم برائے عمل" کا نام دیا جاتا ہے، اس تصورِ علم کے مطابق علم حاصل کرنے کے جو مطلوبہ نتائج سامنے آنے چاہییں، ان میں ذات کی تکمیل، اعلیٰ انسانی اوصاف کا حصول، پوشیدہ صلاحیتوں میں نکھار اور ان کا اظہار اور ان تمام صلاحیتوں کو دین وملت کی خدمت کے لیے صرف کرنے کا جذبہ، یہی علم کا مقصد اور اہلِ علم کا حقیقی مقام ہے۔ علمِ نافع اور غیر نافع کی تقسیم آج کے تعلیمی نظام اور فلسفۂ تعلیم میں اس جوہری فرق کو واضح کرتا ہے کہ آج کی دنیا کے نزدیک نفع وضرر صرف اس دنیا کے حوالے سے ہے، جو بات اس دنیا کی زندگی کو بہتر بنانے اور شخصی، طبقاتی یا اجتماعی زندگی کی کامیابی کے لیے مفید ہے، وہ تعلیمی نظام کا حصہ ہے، جبکہ اسلام علم نافع کا تصور اس حیثیت سے پیش کرتا ہے کہ اس دنیا کے ساتھ ساتھ اصل مقصد فکرِ آخرت کی فوز وفلاح اور اس ابدی زندگی میں نجات کو اپنے تعلیمی وتربیتی نظام کا اساسی ہدف قرار دیتا ہے۔

موجودہ نظامِ تعلیم کا مختصر پس منظر

دورِ حاضر میں تعلیمی نظام دو طرح کے اداروں کے ساتھ وابستہ ہے یعنی عصری تعلیمی ادارے اور دینی مدارس۔ ان دونوں کا تعلیمی ڈھانچا اور نظام کسی وضاحت کا محتاج نہیں، البتہ ان کی نصابی اور اداراتی تقسیم کا مختصر پس منظر بیان کرنا مقصود ہے، جس سے استعمار سے قبل کا نظامِ تعلیم بھی واضح ہو جائے گا اور ان ہتھکنڈوں کی تاریخ بھی جس سے یہ نوبت پیش آئی۔

درسِ نظامی کی خصوصیات

انگریز کے برِّ صغیر پر قابض ہونے سے پہلے اس خطے میں جو نصاب تعلیم رائج تھا، وہ "درسِ نظامی" ہی تھا، جس کے مضامین قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر، اصولِ فقہ، فارسی، صرف و نحو، ادب عربی، بلاغت، عروض و قوافی، عقائد و کلام، مناظرہ، تاریخ، منطق، فلسفہ، علمِ جغرافیہ، عِلم ہیئت و فلکیات، علمِ ہندسہ، میراث وغیرہ تھے۔ یہ نظامِ تعلیم چوں کہ تمام دینی اور دنیاوی علوم پر مشتمل تھا، اس لیے اس نظامِ تعلیم کے فارغ التحصیل طلبہ عملی زندگی کے ہر شعبے کی ذمہ داریاں اٹھا لینے کی استعداد رکھتے تھے، چناں چہ ہر شخص اپنے ذوق اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق زندگی کے جس شعبے کو پسند کرکے اختیار کر لیتا، اس میں اس کو ترقی کے تمام مواقع میسر رہتے تھے۔ غرض یہ کہ اس نظامِ تعلیم کے زیرِ اثر علما، مفسّرین، محدّثین، فقہا، متکلمین، فلاسفہ، ادبا اور مصنّفین کی طرح ماہرینِ طب و سائنس، بڑے بڑے آفیسر اور ماہرینِ قانون بھی پیدا ہوئے، یہ تمام لوگ علم و فن کے ہر اس میدان میں مکمل دسترس رکھتے تھے جو وقت کا تقاضا پورا کر سکے۔

درسِ نظامی کا مبارک تعلیمی سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ انگریز سامراج نے آنے کے بعد بغیر کسی رعایت اور اصول و ضابطے کے اس مکمل تعلیمی نظام کو بدل دیا، جس میں برِّ صغیر اور اسلامی اقدار و روایات کا بڑا حصہ شامل تھا اور اس کے بدلے اپنا تعلیمی نظام مسلّط کیا جو ایک الگ تہذیب اور مختلف اقدار کا حامل نظامِ تعلیم تھا، جس میں ان بنیادی باتوں کو سرے سے ہٹا لیا گیا جو کہ مسلمانوں کی تہذیب اور دین کا بنیادی حصہ تھیں اور اس طرح وہ ہندوستان میں ایک نیا تعلیمی نظام لانے میں کامیاب ہو گیا۔

علمائے کرام کی دور اندیشی

ایسی صورت میں بہت سے وہ افراد جو امتِ مسلمہ کے لیے درد رکھنے کے ساتھ ساتھ سامراج کی پالیسیوں

سے بھی واقف تھے، انھوں نے بھانپ لیا کہ یہ تعلیمی نظام ہماری ترقی یا عروج کے لیے نہیں بلکہ اغیار کے تہذیبی غلبے کو بالادست کرنے کی خاطر کیا جارہا ہے، لہٰذا انھوں نے اس کی بروقت مخالفت کی اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اس تعلیمی سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے کوششیں شروع کردیں جو واقعی ان کی ضرورت تھی۔اسی سبب نظامِ تعلیم کی تقسیم ہوئی، جس کی اصل وجہ مدارس کا قیام نہیں بلکہ استعمار کا ایک مخصوص خطے پر قابض ہونا تھا، باقی جو مسلمانوں نے کیا وہ تو ایک ردِّ عمل کی صورت تھی جس کا ہونا ایک ناگزیر عمل تھا۔

یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ پاکستان کا وجود عمل میں آیا اور علمائے امت نے مسلمانوں کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے یہاں بھی تعلیمی سلسلے کو جاری رکھنا شروع کیا اور اس میں ان امور کو مدِّ نظر رکھا گیا کہ حالات کی ضرورت اور تقاضوں کے مطابق ایک ایسا تعلیمی ڈھانچا مرتب کیا جائے جو یکساں نظامِ تعلیم کو رواج دے اور اس کے لیے مختلف کوششیں ہوئیں، جن میں سر فہرست علما کی وہ تعلیمی کمیٹی ہے، جس کی سر براہی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور علامہ یوسف بنوری صاحبؒ کر رہے تھے، جس میں ان حضرات نے طویل مشاورت کے بعد حکومتِ وقت کو ایک ایسی تعلیمی پالیسی پر تجاویز پیش کی تھیں جو عصری اور دینی دونوں ضرورتوں کو واقعی پورا کر رہی تھیں، جس کا تفصیلی خاکہ اب بھی موجود ہے، لیکن حکومت وقت کی عدمِ دل چسپی اور غیر سنجیدگی ان میں سے کسی بھی پالیسی کو مکمل عملی شکل دینے میں ناکام رہی، جس سے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ عصری جامعات میں تبدیلی تو دور کہیں یہ رَوِش مدارسِ دینیہ جو کہ واقعی اپنے موجودہ معیار میں پورا اتر رہے تھے، ان کے نظامِ تعلیم کو ٹھیس نہ پہنچادے، جس سے رہی سہی محنت بھی ہاتھوں سے نکل جائے۔لہٰذا علمائے کرام نے حکومت کے ساتھ مختلف تعلیمی پالیسیوں پر ساتھ تو ضرور دیا، لیکن ساتھ ساتھ اپنے تاریخی تعلیمی تسلسل ''درس نظامی'' کو جاری رکھا، تاکہ امتِ مسلمہ کی دینی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔

مدارس دینیہ کا نظام تعلیم

تعلیمی نظام کی اہمیت اور اس کی مختصر تاریخ کے بعد اب مدارس میں جاری نظامِ تعلیم پر کچھ معروضات پیش کی جاتی ہیں۔

دینی مدارس کو مدارس عربیہ، مدارس دینیہ اور اردو میں دینی مدارس کہا جاتا ہے، اس نام سے ہی ان کے اغراض و مقاصد اور اہداف معلوم ہو جاتے ہیں کہ جس طرح دیگر علوم و فنون کے اپنے ادارے ہیں، جہاں متعلّقہ فن کے علاوہ دیگر علوم و فنون کی تعلیم نہیں ہوتی، مثلاً میڈیکل کالج، انجینیئرنگ کالج، لاء کالج، ٹیکنکل وغیرہ جہاں اپنے اپنے مخصوص تخصصات کی تعلیم دی جاتی ہے اور کسی دوسرے شعبے کے ساتھ ملاوٹ کرنا نہیں ہوتا، ٹھیک اسی طرح دینی مدارس سے مراد وہ ادارے ہیں، جہاں دینِ اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہ تعلیم کا عمل قرآن و حدیث کے سمجھنے پر مشتمل ہوتا ہے۔

بقیہ

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ

آواز کو انتشار سے اتحاد کی طرف آنے کی دعوت دینی چاہیے، لیکن جوہرِ نبوت جب خلاقِ عالم سے الہام پا کر گویا ہوا تو اس کا پہلا پیغام ان میں سے کسی اندازے پر مبنی نہیں تھا، بلکہ وہ پہلا پیغام ''اقراء'' کا تھا۔پڑھنے کا پیغام، علم کے حصول کا پیغام، علم کے دور دورے کا پیغام---یہ اعلان تھا کہ اب حکومت طاقت کی نہیں علم کی ہوگی، اس دورِ جاہلیت و جہالت سے نکال کر انسانیت کو ضیاءِ علم سے پُر نور کر دینے والے کی عظمتِ کردار کو جب ہر لکھا جانے والا حرف، ہر کتاب، ہر سطر، ہر نقش، ہر نئی تحقیق، ہر نیا علمی انکشاف سلامِ عقیدت پیش کرتا ہے تو زمین و زماں ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' کی تجلّی سے منوّر ہو جاتے ہیں۔

''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' جبر و استبداد کے خلاف جِد و جُہد حق کی اس ترجمانی کا نام ہے کہ جس نے ساہوکاروں کے معاشرے میں مزدوروں کو مساویانہ معاشرتی حیثیت بخشی۔ابو بکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے ہوتے ہوئے بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھ کر ندائے حق بلند کرنے کا اعزاز بخشا۔ ظلم کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو جانے کو ''اَفۡضَلُ الۡجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنۡدَ سُلۡطَانٍ جَائِرٍ'' (افضل ترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے) کا تقدّس بخش کر افضل ترین عبادت قرار دیا۔

جہاں تقدّس مذہب کی روایت میں محصور، منصب عصبیت کے دائرے میں محبوس اور انصاف طاقت سے مشروط تھا، وہاں انسانی بنیادوں پر حقوق کا تصوّر دینا اور صرف تصوّر ہی نہیں بلکہ عملاً بھی انہی بنیادوں پر ایک فعّال اور متحرک معاشرہ تشکیل دینا محسنِ انسانیت کے عظمتِ کردار کی وہ معراج ہے، جس کا حصول خداوندِ قدوس کی طرف سے مقامِ رفعتِ ذکر کی ارزانی کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

وہ مکہ کے سردار ابو جہل سے کم زور پردیسی کا حق لینے چلے تو بیت الحرام پر تجلّی چمکی ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' حلف الفضول میں مظلوم کی دادرسی کے عہد میں شریک ہوئے تو ہاتفِ غیبی نے صدا دی ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' بنو خزاعہ کے مظلوم مشرکین کی مدد کے لیے دس ہزار کا لشکر جرار لیے سوئے مکہ چلے تو وادئ فاران کے ذرّے ذرّے نے گواہی دی ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' قبیلۂ طے کی اسیر سردار زادی کے سر پر چادر اوڑھی تو فلک نے پکارا ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر روانہ کرتے وقت مظلوم کی بد دعا سے بچتے رہنے کی تلقین کی تو یمن کا خطۂ ایمن کہہ اُٹھا ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' جمال روئے انور مستور روضۃ من ریاض الجنۃ ہوا مگر ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' کی تجلّی رہ رہ کر چمکتی رہی۔

مظلومِ مدینہ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا عوام کی امانت سے دستبردار ہو جانے سے انکار کرنا، حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کا ظلم کے سامنے سر جھکانے کی بجائے سر کٹا دینا، جبر کے مقابل شہید ہو کر عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ کی لٹکتی لاش کو اسما بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کا فخر سے دیکھنا، روما کی سلطنت کو پیام پہنچانا کہ ہم لِنُخۡرِجَ الۡعِبَادَ مِنۡ عِبَادَةِ الۡعِبَادِ (بندوں کو اپنے جیسے بندوں کی غلامی سے چھڑانے) آئے ہیں، اُندلس کے مظلوم باپ کی دادرسی کے لیے طارق کا دریا میں اُترنا، دیبل کی بندرگاہ پر ابنِ قاسم کا اُترنا، فرنگی اقتدار کا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فتوائے دار الحرب سے کانپ اُٹھنا، دہلی سے چل کر بالاکوٹ کے کوہسار میں سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جامِ شہادت پینا، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کا بے سر و سامانی میں فرنگی استبداد کے سامنے شاملی کے میدان میں ڈٹ جانا، ستر سال کی عمر میں مالٹا کی جیل میں شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا پابندِ سلاسل ہونا، کراچی کے خالق دینا ہال میں فرنگی عدالت کے کٹھرے میں کھڑے ہو کر شیخ الاسلام سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا کندھے سے چادر اُتار کر للکارنا کہ حسین احمد دیوبند سے کفن ساتھ لے کر آیا ہے، کہاں تک گنوایا جائے---یہ سب ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' کی جبر و استبداد کے خلاف جِد و جُہد کا ترجمان ہونے کی تجلّیات تھیں۔

غرض حقیقت یہ ہے کہ ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' جس متکلّم ازلی کا کلام حقیقت ترجمان ہے، اسے بھی فنا نہیں، اس کے کلام کو بھی فنا نہیں کہ خلاقِ عالم کی ذات بھی باقی غیر فانی اور صفات بھی باقی غیر فانی ہیں تو ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' کے الفاظ بھی تا قیامت منوّر رہیں گے، اس کے معانی بھی تا قیامت جگمگاتے رہیں گے اور اس کی تجلّیات بھی تا ابد ضیاء پاش رہیں گی، آبِ حیات کے اس چشمۂ صافی کا فیض ہمیشہ جاری رہے گا۔انسانیت جوں جوں عظمتِ کردار کی منازل طے کرتی جائے گی ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' کی تاثیر مسلسل کی قائل ہوتی جائے گی اور صاحبِ مقام رفعت ذکر کے دامانِ رحمت میں ہی گوشۂ امان پائے گی۔

خدا کے دامنِ رحمت میں آباد ہونے کی
محمد ﷺ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی

New
KILLS ON CONTACT
EVERY NIGHT®
INSECTICIDE
KILLS BOTH
DENGUE MOSQUITOES
& COCKROACHES
KILLER
FORMULA
100%
GUARANTEED
KILLS ON CONTACT
EVERY NIGHT
INSECTICIDE
COCKROACHES
Instant killing action
300ml
MULTI ACTION FORMULA
400ml
600ml
300ML
400ML
600ML

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ

عمارہ فہیم

"اللہ رب العزت نے دنیا میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جن میں ترتیب کے اعتبار سے حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں ،آپ ﷺ محبوبِ خدا، شافع محشر، امام الانبیا، رحمت للعالمین، خاتم الانبیا ہیں۔"

آپ علیہ السلام کی پیدائش 9ربیع الاول یوم دوشنبہ (پیر) بمطابق 29 اپریل 571ء کو (جس سال اصحاب الفیل کا واقعہ پیش آیا) صبح صادق کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے ہوئی۔(تاریخ اسلام)

آپ کے والد ماجد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔

آپ علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے ، محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

آپ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی والد محترم کا انتقال ہو گیا تھا، چند دن نبی کریم ﷺ کو والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا اور پھر ثوبیہ نے پھر مستقل طور پر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے یہ خدمت انجام دی۔"

"بچپن میں ہی دو فرشتے آپ علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں آئے اور آپ کا مبارک سینہ اور شکم چاک کیا، قلبِ مبارک کو نکالا اور نور سے بھر دیا۔"

"چھ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا تو پرورش دادا حضرت عبدالمطلب کے سپرد ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں دادا کے انتقال کے بعد چچا ابوطالب نے یہ فریضہ انجام دیا۔"

"آپ علیہ السلام ذہین، سمجھدار اور لڑکپن سے ہی بہترین اخلاق کا مجسمہ تھے۔ بارہ سال کی عمر میں چچا ابوطالب شام کی طرف لے گئے۔ راستے میں بحیرا راہب نے آپ کی علامات کو دیکھ کر پہچان لیا اور ابوطالب کو ساری بات بتائی اور آپ کو اس سفر سے واپس کروا دیا۔"

"شام کا دوسرا سفر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے تجارت کی غرض سے کیا، اس سفر میں نستورا نامی راہب سے آپ کی ملاقات ہوئی اور پورے سفر میں اللہ رب العزت کے حکم سے آپ علیہ السلام پر گرمی کے وقت برابر سایہ ہوتا تھا، اس سفر کے بعد اماں خدیجہ سے آپ کا نکاح ہوا۔"

"حضور نبی اکرم ﷺ کی ساری زندگی بہترین اخلاق کا خزانہ تھی ۔ سچائی دیانت داری، وفاداری، بزرگوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت، ہمدردی، غم خواری، خیر خواہی غرض تمام اچھی باتوں میں سے حضور کو وہ مرتبہ عطا کیا گیا، جس تک ناممکن ہی کوئی پہنچ سکے، آپ کا لقب صادق وامین رکھا گیا۔"

"آپ ﷺ کا حلیہ مبارک کوئی آنکھ تصور نہیں کر سکتی، آپ کا میانہ قد، سرخی مائل سفید گورا رنگ، سر اقدس پر سیاہ ہلکے گھنگریالے ریشم کی طرح ملائم انتہائی خوب صورت بال جو کبھی شانہ مبارک تک دراز ہوتے، کبھی گردن تک اور کبھی کانوں کی لو تک رہتے تھے۔ رُخِ انور اتنا حسین کہ مکمل چاند کی طرح چمکتا بلکہ چاند بھی ماند پڑ جاتا، سینہ مبارک چوڑا، کشادہ، جسم اطہر نہ دبلا نہ موٹا، دونوں شانوں کے بیچ پشت پر مہرِ نبوت کبوتر کے انڈے کے برابر سرخی مائل ابھری ہوئی تھی کہ دیکھنے میں بے حد بھلی لگتی تھی۔ پیشانی کشادہ بلند اور چمک دار، ابروئے مبارک کمان دار، دہن مبارک کشادہ، ہونٹ یاقوتی، مسکراتے تو دندانِ مبارک موتی کی مانند چمکتے، دانتوں کے درمیان ہلکی جھری تھی، جہاں سے بولتے ہوئے نور نکلتا تھا، سینے پر بالوں کی ہلکی لکیر ناف تک تھی۔

صحابہ کا اتفاق ہے کہ آپ جیسا خوب صورت نہیں دیکھا گیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعرِ رسول ﷺ ہیں، وہ اپنے نعتیہ قصیدے میں فرماتے ہیں:

وَاَحۡسَنَ مِنۡكَ لَمۡ تَرَقَطُّ عَيۡنِیۡ
وَاَجۡمَلَ مِنۡكَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقۡتَ مُبَرَّاً مِّنۡ كُلِّ عَيۡبٍ
كَاَنَّكَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَا تَشَاءُ

"آپ ﷺ سے حسین مرد میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوب صورت مرد کسی عورت نے نہیں جنا، آپ ہر قسم کے ظاہری و باطنی عیب سے پاک پیدا ہوئے، گویا آپ اپنی منشا سے پیدا ہوئے ہیں۔"

"نہ کبھی آپ چیخ کر بات کرتے نہ قہقہہ لگاتے، ہر لفظ واضح بولتے، جب مجمع سے مخاطب ہوتے تو تین بار جملے کو بالکل صاف صاف دہراتے تھے۔ اندازِ کلام باوقار، الفاظ میں حلاوت کہ بس سنتے رہنے کو دل کرتا، لبوں پر ہمہ دم ہلکا سا تبسّم جس سے لب مبارک اور رخ انور کا حسن بڑھ جاتا تھا۔ راہ چلتے تو رفتار ایسی ہوتی گویا کسی بلند جگہ سے اتر رہے ہوں، نہ دائیں بائیں مڑ مڑ کر دیکھتے نہ گردن کو آسمان کی طرف اٹھا کر چلتے تھے، قدمِ مبارک کو پوری طرح رکھ کر چلتے تھے کہ نعلین شریفین کی آواز نہیں آتی تھی، ہاتھ اور قدم ریشم کی طرح ملائم اور قدم پُر گوشت، ذاتی معاملے میں کبھی غصہ نہیں ہوتے، اپنا کام خود کرنے میں تکلف نہ فرماتے، جس سے گفتگو فرماتے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے، کوئی آپ سے بات کرتا تو پوری توجہ سے سماعت فرماتے تھے، پھر بھی ایسا رعب تھا کہ صحابہ کو گفتگو کی ہمت نہ ہوتی تھی، ہر فرد یہی تصور کرتا تھا کہ مجھ کو ہی سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔

ایسے حسین، ایسے محبت کرنے والے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فدا رہتے، اپنا سب کچھ آپ پر لٹانے کو تیار رہتے۔"

"نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد رحمۃ للعالمین خاتم النّبیین ﷺ نے ایک ایسے معاشرے

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں کی برکت

حضرت اُمِ اسحاق رضؓ

ندا اختر

حضرت اُمِ اسحاق رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، فرماتی ہیں، میں مدینہ ہجرت کی نیت سے اپنے بھائی کے ساتھ نکلی، ابھی ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ میرے بھائی نے مجھ سے کہا کہ ”اُمِ اسحاق! تم یہاں بیٹھو میں اپنے پیسے مکہ میں بھول آیا ہوں۔“ میں نے کہا: ”مجھے ڈر لگتا ہے، کہیں میرا فاسق شوہر تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے۔“ اس نے کہا: ”ان شاء اللہ، کچھ نہیں ہوگا۔“ مگر کئی دن گزر گئے اور میرا بھائی واپس نہ آیا۔ ایک دن میرے پاس ایک آدمی آیا جس کو میں پہچانتی تو تھی، مگر اس کا نام نہیں جانتی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا: ”اُمِ اسحاقؓ! آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟“ میں نے کہا: ”اپنے بھائی کا انتظار کر رہی ہوں۔“ وہ بولا: ”آج کے بعد آپ کا کوئی بھائی نہیں رہا، آپ کے شوہر نے اسے قتل کر دیا ہے۔“ اس وقت تو میں نے بہت برداشت کیا اور مدینہ آگئی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دی تو آپؐ وضو فرما رہے تھے، میں ان کے سامنے کھڑے ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور کہا: ”یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے بھائی اسحاق کو قتل کر دیا گیا۔“ اور جب بھی میں آپؐ کی طرف دیکھتی تو آپؐ وضو کرنے کے لیے جھک جاتے اور اپنی ہتھیلی میں پانی بھر کر میرے چہرے پر چھڑک دیتے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد سے اُمِ اسحاقؓ پر جب بھی کوئی مصیبت نازل ہوئی تو ان کی آنکھوں میں آنسو تو نظر آجاتے، مگر گالوں پر نہ بہتے۔

اُمِ اسحاقؓ کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ بھی ہے اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ اُمِ اسحاقؓ حضور اقدس ﷺ کے پاس تشریف لائیں تو آپ نے روٹی اور گوشت سے ان کی خاطر کرتے ہوئے فرمایا: ”کھاؤ۔۔۔“ وہ کہتی ہیں کہ میں نے وہ کھا لیا پھر آپؐ نے مجھے ایک گوشت والی ہڈی دی اور فرمایا: ”اُمِ اسحاق! اسے بھی کھاؤ۔۔۔“ تو میں نے جیسے ہی اسے اپنے منہ کی طرف بڑھایا تو مجھے فوراً یاد آگیا کہ میں تو روزہ سے ہوں، اب میرا ہاتھ بیچ میں ہی رہ گیا، نہ اسے اپنے منہ تک لے جا پا رہی تھی اور نہ نیچے گرا پا رہی تھی تو آپؐ نے فرمایا: ”کیا ہوا اُمِ اسحاقؓ؟“ میں نے کہا: ”یا رسول اللہ (ﷺ)! میرا تو روزہ تھا۔“ آپؐ نے فرمایا: ”اپنا روزہ پورا کرو۔“ یہ سن کر کسی نے کہا: ”کیا اب جب کہ ان کا پیٹ بھر چکا ہے؟“ تو آپؐ نے فرمایا: ”یہ تو رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا۔“

کو ایمان و توحید کی دعوت دی جو شرک و کفر کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا، درندگی اور حیوانیت کا راج تھا، ہر طاقتور فرعون بنا ہوا تھا۔ قتل و غارت گری کی وبا ہر سُو عام تھی۔ عزّت، عصمت کچھ محفوظ نہیں، نہ عورتوں کا کوئی مقام، نہ غریبوں کے لیے کوئی پناہ، شراب پانی کی طرح بہائی جاتی، بے حیائی اپنے عروج پر، روئے زمین پر وحدانیت حق کا کوئی تصور نہ تھا، خود غرضی، مطلب پرستی کا دور دورہ تھا، خدائے واحد کی عبادت کی بجائے معبودانِ باطل کے سامنے پیشانیاں جھکتیں، غرض ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا قوم کو دینِ واحد کی طرف بلایا دعوتِ حق کے بعد ظلمت میں گھرے لوگوں کی زندگی بدل گئی۔“

”دشمنانِ اسلام نے قدم قدم پر آپ کو ستایا، جھٹلایا، بہتان لگایا، مجنون و دیوانہ کہا، ساحر و کاہن کا لقب دیا، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسمِ اطہر پر غلاظت ڈالی، لالچ دیا، دھمکیاں دیں، آپ کے شیدائیوں پر ظلم و ستم اور جبر کے پہاڑ توڑے کہ کسی طرح حق کا قافلہ رک جائے، حق کی آواز دب جائے، مگر دورِ انقلاب شروع ہو گیا تھا، توحید کا نعرہ بلند ہو چکا تھا، اس کو غالب آنا تھا، بالآخر اللہ رب العزت کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا، ہجرت کے بعد غزوات و فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔“

”آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ اپنی اشیا کے نام رکھا کرتے تھے، سیرت کی بہت سی کتب میں نام مذکور ہیں جیسے: عمامہ شریف کا نام سحاب تھا۔ ایک خچر کا نام دلدل، دو اونٹنیوں میں سے ایک قصواء تھی۔ حجۃ الوداع کا خطبہ آپ علیہ السلام نے اسی پر دیا، ایک تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا۔ آپ ﷺ کی ان اشیا کے ناموں کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشیا کا نام رکھنا سنت ہے۔“

”یہ سیرۃ النبی ﷺ کے چند پہلو ہیں، آپ علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ اس قدر وسیع ہے کہ علما نے کئی کئی جلدیں اس موضوع پر لکھی ہیں، پھر بھی تشنگی باقی ہے، سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ کرنا بہت اہم ہے، اس کے بغیر آپ ﷺ کی تعلیمات اور حیات طیبہ سے ایک مسلمان مکمل طور پر مستفید نہیں ہو سکتا، کیوں کہ آپ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ ہر ایک کے لیے، ہر وقت، ہر حالت میں بہترین راہنمائی کرنے والی ہے، آپ جہاں داعیٔ برحق ہیں تو وہیں انسانِ کامل بھی ہیں۔ آپ شوہر بھی ہیں باپ بھی، آپ خسر بھی ہیں داماد بھی، آپ تاجر بھی ہیں قائد بھی۔ آپ مہاجر بھی ہیں، آپ نے مشقتیں برداشت کیں، آپ نے بھوک برداشت کی، آپ نے بکریاں چرائیں، آپ نے معاملات کیے، آپ نے لین دین فرمایا، آپ نے قرض لیا، قرض ادا کیا، آپ نے ایک انسان کی حیثیت سے معاشرے کا ہر وہ کام کیا جو ایک انسان فطری طور پر کرتا ہے۔ اس لیے آپ کو نمونہ بنائے بغیر نہ کوئی کامیاب باپ، شوہر، خسر، داماد، تاجر و سپہ سالار بن سکتا ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی کماحقہ اطاعت و عبادت کر سکتا ہے، اس لیے آپ ﷺ کی حیات طیبہ، سیرتِ مبارکہ ہر مسلمان کی ضرورت ہے، کیوں کہ جس طرح کے فتنے اور حالات درپیش ہیں، ان میں اگر کوئی ہمارے لیے مشعل راہ ہے تو وہ صرف اور صرف آپ ﷺ کی زندگی کے روشن پہلو ہیں۔

دست اقدس کی برکت

حذیفہ رفیق

بنو تمیم قبیلے کے ایک صحابی ہیں، حنظلہ بن حِذیَم بن حنیفہ رضی اللہ عنہ ان کی بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ خود بھی صحابی ہیں، ان کے والد "حِذیَم" بھی صحابی ہیں اور ان کے دادا "حنیفہ" بھی صحابی ہیں۔

حنیفہ رضی اللہ عنہ کی عمر بڑی ہو چکی تھی، انھوں نے اپنے بیٹے حذیم سے کہا کہ: "میرے سارے بچوں کو جمع کرو، میں ان کو وصیت کرنا چاہتا ہوں، نہ جانے کب دنیا سے رخصت ہو جاؤں اور میں سب سے پہلے یہ وصیت کروں گا کہ میری کفالت میں ایک یتیم بچہ ہے، میرے مال میں سے (میرے مرنے کے بعد) اس کو سو اونٹ دے دیے جائیں۔"

حذیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "ابا جان، لیکن بات یہ ہے کہ آپ کے بیٹوں کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہم اس یتیم کو جو کچھ دے رہے ہیں وہ صرف والد صاحب کی خوشنودی کی خاطر دے رہے ہیں، والد صاحب کے انتقال کے بعد ہم اس کی مزید کفالت نہیں کر سکیں گے۔" یہ سن کر حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "چلو رسول اللہ ﷺ کے پاس چل کر فیصلہ کرواتے ہیں۔"

چناں چہ حنیفہ، حذیم اور حنظلہ، یعنی دادا، والد اور پوتا، تینوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ اس وقت بچے تھے، اس لیے اپنے والد کی سواری پر ہی پیچھے سوار ہوئے تھے، حاضر خدمت ہو کر انھوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب دے کر دریافت فرمایا: اے ابو حذیم (حنیفہ رضی اللہ عنہ کی کنیت)! کیسے آنا ہوا؟ انھوں نے اپنے بیٹے حذیم کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ حذیم مجھے لے کر آیا ہے، پھر انھوں نے تفصیل بتانا شروع کی: میں بوڑھا ہو گیا ہوں، کسی بھی وقت دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، چناں چہ میں نے چاہا کہ وصیت کر جاؤں، میں نے (اس سے) کہا: میری سب سے پہلی وصیت یہ ہے کہ میری کفالت میں جو یتیم بچہ ہے، اس کو (میرے مرنے کے بعد) سو اونٹ دے دیے جائیں۔" یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ کے چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ نبی کریم ﷺ (ٹیک لگائے) تشریف رکھتے تھے، گھٹنے کے بل سیدھے بیٹھ گئے، پھر آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا، ایسی وصیت سے جس سے ورثا کو نقصان ہو اور ان کے حق میں کمی ہو، البتہ کچھ معمولی وصیت کر لی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔"

حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد میرے دادا حنیفہ رضی اللہ عنہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے قریب لے کر گئے اور آپ ﷺ سے فرمایا:

إِنَّ لِي بَنِينَ ذَوِي لِحًى، وَدُونَ ذٰلِكَ، وَإِنَّ ذَا أَصْغَرُهُمْ، فَادْعُ اللّٰهَ لَهُ

میرے کئی بیٹے جوان ہیں، ڈاڑھی والے اور کچھ چھوٹے بھی ہیں اور یہ (میرا پوتا) سب سے چھوٹا ہے، آپ اس کے لیے دعا فرما دیجیے۔

چناں چہ آپ ﷺ نے حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کو برکت کی دعا دی۔

نبی کریم ﷺ کی دعا کا کیا اثر تھا؟ اس بارے میں حنظلہ رضی اللہ عنہ کے پوتے ذیال بن عبید کہتے ہیں: میں خود دیکھتا تھا کہ میرے دادا حنظلہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیمار لوگ لائے جاتے تھے، بسا اوقات ایسا بیمار لایا جاتا جس کے منہ پر ورم ہوتا (اس کا منہ سوجھا ہوا ہوتا)، میرے دادا حنظلہ رضی اللہ عنہ بسم اللہ پڑھ کر اپنے ہاتھ پر پھونکتے، جس میں کچھ تھوک بھی نکلتی، پھر اپنا ہاتھ اپنے ہی سر پر اس جگہ رکھ کر پھیرتے جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پھیرا تھا، اس کے بعد میرے دادا حنظلہ رضی اللہ عنہ سوجھی ہوئی جگہ پر ہاتھ پھیرتے اور اللہ کے حکم سے سوجن ختم ہو جاتی۔

اسی طرح دودھ دینے والا جانور لایا جاتا، جس کے تھن سوجھ گئے ہوتے، اس پر بھی حنظلہ رضی اللہ عنہ اسی طرح دم کرتے اور سوجن ختم ہو جاتی۔

آنسو

بینش احمد

آنسو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ بظاہر تو یہ نمکین پانی کے چند قطرے نظر آتے ہیں لیکن یہ اپنے آپ میں ایک منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ آنسو پھول کے پتوں پہ پڑی ہوئی شبنم کی طرح ہوتے ہیں یہ ہمارا غم ہلکا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ آنسوؤں کا تعلق ہماری آنکھوں سے ہوتا ہے اور آنکھیں دل کا آئینہ کہلاتی جاتی ہیں۔ آنسو جذبات کا اظہار کرنے کا ذریعہ ہیں ہمارے دل میں جس قسم کے بھی جذبات پیدا ہوتے ہیں اُن کا اظہار آنکھوں ذریعے ہوتا ہے۔ شدید غم میں ہم روتے ہیں تو وہ دکھ کے آنسو ہوتے ہیں اور بعض اوقات کسی خوشی کے موقع پر بھی ہماری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں تو یہ خُوشی کے آنسو کہلاتے ہیں۔ خوشی کے آنسوؤں میں ہم رونے کے ساتھ ساتھ مُسکرا بھی رہے ہوتے ہیں۔

ہمیں کوئی بھی دکھ یا پریشانی ہوتی ہے تو ہماری آنکھیں خُود بخُود چھلک پڑتی ہیں۔

اگر یہ آنسو نہ ہوتے تو ہمارا درد کس راستے باہر کو آتا ہم تو اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کے مر جاتے لیکن ہمارے آنسو خُدا کی طرف سے ایک انمول تحفہ ہیں یہ اظہار بندگی کا ذریعہ بھی ہیں ہم اپنے رب کے حضور سجدے میں رو رو کر دعا مانگتے ہیں اور بے شک وہ اپنے بندوں کی دعا رد نہیں کرتا۔

آنسو مسکراہٹ سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں کیوں کہ مسکراتے تو ہم سب کے لیے ہیں لیکن روتے ہم صرف ان کے لیے ہیں جن کی ہمیں پرواہ ہوتی ہے جن کو ہم کھونا نہیں چاہتے اور جو ہمارے دل کے بہت قریب ہوتے ہیں۔

اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے یہ آنسو اتنے بے مول نہیں کہ انہیں کسی ناقدرے انسان کے لیے ضائع کیا جائے۔

اور دوسری بات یہ کہ ہماری سب سے بڑی ہار یہ ہے کہ کسی کی آنکھ میں ہماری وجہ سے آنسو آئیں۔

آنسو بہت قیمتی ہیں انہیں اپنے رب کے آگے بہائیں اور اپنا دل ہلکا کریں کیونکہ وہ ہر مرض کی دوا کرنے والا ہے۔

بنک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈز کے شرعی احکام

سوال: دورِ حاضر میں تجارت کا دائرہ جس قدر پھیلتا جارہا ہے، اتنا ہی پیسوں کی حفاظت ، باہمی لین دین، رقوم کے لین دین میں بنک کی اہمیت بڑھتی جارہی ہے، چناں چہ انھی سہولیات کے تسلسل میں بنک کی طرف سے مختلف قسم کے کارڈز کا اجراء بھی ہے جو مقررہ قواعد وضوابط کے مطابق کارڈ ہولڈرز کو مختلف سہولتیں مہیا کرنے کا ایک ذریعہ ہے، ان کارڈ سے فائدہ اٹھانے کے سلسلے میں شریعت ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟

جواب: واضح رہے کہ آج کل رائج کارڈ کی تین اقسام پائی جاتی ہیں:

1۔ ڈیبٹ کار DebitCard

2۔ چارج کارڈ ChargeCard

3۔ کریڈٹ کارڈ CreditCard

ا۔ ڈیبٹ کارڈ

اس کارڈ کے حامل کا پہلے سے اکاؤنٹ اس ادارے میں موجود ہوتا ہے جس ادارے کا اس نے کارڈ حاصل کیا ہے، کارڈ ہولڈر اس کارڈ کو جب بھی استعمال کرتا ہے، ادارہ اس کے اکاؤنٹ میں موجود رقم سے اس کی ادا کر دیتا ہے، اس میں کارڈ والے کو ادھار کی سہولت حاصل نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ صرف اس وقت تک کارڈ کو استعمال کر سکتا ہے جب تک اس کے اکاؤنٹ میں رقم موجود ہے۔

ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

اس کارڈ کو استعمال کرنا بلا شبہ جائز ہے اور اس کے ذریعے خرید وفروخت کرنا درست ہے، کیوں کہ اس میں نہ قرض کی صورت ہے، نہ سُود کی۔

۲۔ چارج کارڈ

اس کارڈ کے حامل کا ادارے میں پہلے سے اکاؤنٹ نہیں ہوتا، بلکہ ادارہ حاملِ بطاقہ کو ادھار کی سہولت فراہم کرتا ہے، حاملِ بطاقہ کو ایک متعین ایام کی ادھار کی سہولت میسر ہوتی ہے، جس میں اس کو ادارے کو ادائیگی کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر اس مدت میں ادائیگی ہو جائے تو سود نہیں لگتا، البتہ اگر حاملِ بطاقہ نے وقت پر رقم ادا نہ کی تو پھر اس کو سود بھی دینا پڑتا ہے

ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔

اس کارڈ کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ استعمال کرنا جائز ہے:

ا۔ حاملِ بطاقہ اس بات کا پورا اطمینان کرے کہ وہ معین وقت سے پہلے پہلے رقم ادا کردے اور کسی بھی وقت سود عائد ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

۲۔ حاملِ بطاقہ کی یہ ذمہ داری ہو کہ وہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

۳۔ اگر ضرورت ڈیبٹ کارڈ سے پوری ہو رہی ہو تو بہتر ہے کہ اس کارڈ کو استعمال نہ کرے۔

۳۔ کریڈٹ کارڈ

اس کارڈ کے حامل کا بھی کوئی اکاؤنٹ ادارے میں نہیں ہوتا، بلکہ وہ معاہدہ ہی ادھار پر سود کا کرتا ہے، اس معاہدے میں اگرچہ ادارہ ایک متعین مدت فراہم کرتا ہے جس میں اگر حاملِ بطاقہ ادائیگی کردے تو اس کو سود ادا نہیں کرنا پڑتا، لیکن اصلاً معاہدہ سود کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں تجدیدِ مدت (Rescheduling) کی سہولت بھی موجود ہوتی ہے ، جس سے ادائیگی کی مدت بڑھ جاتی ہے، البتہ اس کے ساتھ ساتھ شرحِ سود میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور بعض صورتوں میں اضافی رقم لی جاتی ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس کارڈ کا استعمال جائز نہیں ہے، ہاں اگر یہ مجبوری لاحق ہو کہ ڈیبٹ کارڈ یا چارج کارڈ الگ سے مہیا نہ ہو اور اس کو ڈیبٹ کارڈ یا چارج کارڈ کی طرح مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے، تب جواز کی گنجائش ہے۔

ان تمام کارڈز کو "کریڈٹ کارڈ" کہا جاتا ہے۔ لیکن جو اصلاً کریڈٹ کارڈ ہے اس کا استعمال عام حالات میں جائز نہیں ،البتہ کریڈٹ کارڈ کا اطلاق مذکورہ بالا پہلی دو قسموں پر کیا جائے تو ان کا استعمال جائز ہے۔

ان کے علاوہ کارڈ کی ایک قسم ہے جس کو (Automated Transfer Machine) کارڈ کہتے ہیں۔ یہ رقم نکالنے کا کارڈ ہوتا ہے، بعض دفعہ اس کا وجود اوپر ذکر کردہ کارڈ کے ضمن میں بھی ہوتا ہے، مثلاً: یہ ممکن ہے کہ ڈیبٹ کارڈ میں رقم نکالنے کی سہولت بھی موجود ہو۔

اس کارڈ کا حکم یہ ہے کہ اس کو استعمال کرنے پر اگر متعین رقم مشین کے استعمال کی اجرت کے طور پر ادارہ وصول کرے جو مقدار رقم سے قطع نظر ہو تو جائز ہے، لیکن اگر ادارہ رقم کو بنیاد بنا کر اس پر کچھ وصول کرے تو یہ جائز نہیں، بلکہ سُود ہوگا، البتہ ادارہ کارڈ جاری کرنے کی فیس وصول کر سکتا ہے۔

املی

املی کی کھٹاس، صحت کی مٹھاس

• حکیم شمیم احمد

املی کا تعارف

املی کو عربی اور فارسی میں تمر ہندی کہتے ہیں اُردو میں "املی" اور انگریزی میں "Tamarind" کہلاتی ہے۔

تمر ہندی ہندوستان کی کھجور بھی کہلاتی ہے۔ کھٹ مٹھی املی نوجوان لڑکیوں کو ہی نہیں بلکہ بچوں کو بھی بھاتی ہے۔ صبح کا ناشتا ہو یا دوپہر کا کھانا۔ دستر خوان پر رونق لے آنے والی املی کی چٹنی ہر جگہ نظر آتی ہے۔ یہ ایک سدا بہار درخت ہے، اس کے پتے اور پھول ذائقے میں ترش ہوتے ہیں، اس کا مزاج سرد درجہ اوّل اور خشک درجہ دوئم بتایا گیا ہے۔ اس کا اصل وطن جنوبی ہند ہے، مفرّح اور مسکن حرارت ہے۔

املی کے فوائد

1۔ دل اور معدے کو طاقت بخشتی ہے اور متلی کو زائل کرتی ہے طبیعت کو فرحت بخشتی ہے۔

2۔ ملین، قاطع صفرا ہے۔

3۔ صفرا اور جلی ہوئی اخلاط کو دست کے ذریعے خارج کرتی ہے۔

4۔ خون کے جوش کو تسکین پہنچاتی ہے۔

5۔ گرمی سے ہونے والے خفقان اور دوران سر کو مفید ہے۔

6۔ وبائی امراض کو دور کرتی ہے۔

7۔ مانع اور دافع سکروی ہے۔ یعنی سر کی خشکی دور کرتی ہے۔

8۔ اس کے بیج قابض اور مسکن ہوتے ہیں۔

املی کے متفرق نسخہ جات

[ ] مغز املی دیگر ادویات کے ہم راہ سفوف بنا کر مرضِ جریان میں کھلاتے ہیں اور املی کا شربت بنا کر موسم گرما میں بکثرت استعمال کرتے ہیں۔

[ ] اس کے پتوں کے پانی میں گرم سرخ لوہا بجھا کر خونی اسہال میں دیا جاتا ہے۔

[ ] املی کے پتوں کے رَس میں کھنڈ ملا کر دینا پیچش اور بواسیر خونی میں مفید ہے۔

[ ] برگِ املی دو تولہ لے کر پاؤ بھر پانی میں گھوٹ کر اور شکر ملا کر پینا پیشاپ کی جلن دور کرتا ہے۔

[ ] املی کے پتّوں کے جوشاندے سے زخموں کو دھوتے ہیں۔

[ ] خنّاق اور منہ پکنے میں اس کے جوشاندے سے غرغرہ کراتے ہیں۔

[ ] پرانی املی کے کھانے سے پیشاپ میں فاسفیٹ کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔

احتیاط: بیکری کی چیزیں اور زیادہ چکنی غذائیں کھانے سے خون میں فاسفیٹ بڑھ جاتے ہیں، جیساکہ پالک اور ٹماٹر کے بیجوں کا استعمال خون میں آگزیلیٹ بڑھا دیتا ہے، جو لوگ دن میں پانی کم مقدار میں پیتے ہیں، ان کے گردوں میں یہ جمع ہو کر پتھریاں بناتے ہیں۔

طبّی مشورہ

حکما کے مطابق املی کا گودا، بیج، پتے، رس، پھلی کا چھلکا، جڑ، اور پھول سب ہی دواؤں کے لیے بہترین ہیں۔ ان کے مطابق کچی املی ثقیل اور فاسد ہوتی ہے، یہ بلغم کو بڑھاتی ہے۔ اس کے برعکس پکی ہوئی املی ہاضم ہوتی ہے اور مثانے کی بیماریوں کو دور کرتی ہے۔ اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس درخت کی ہوا مضر صحت ہے، بیماری پیدا کرتی ہے۔ اس کے درخت کے نیچے کپڑا پڑا رہنے سے گل جاتا ہے۔ برسات میں اس کے سائے میں رہنا بہت مضر ہے۔

املی کے پھل میں قدرے نمک شامل کر کے سنار ایک خاص طریقے سے چاندی کے زیورات کی میل اتارنے کے کام میں لاتے ہیں۔

شدّت کی گرمی میں لو کے حملے سے بچنے کے لیے

نسخہ: املی پانچ تولہ　　عناب پانچ عدد　　تخم خربوزہ ایک تولہ

ان تمام کو ایک کلو پانی میں جوش دے کر چھان کر ٹھنڈا کریں اور اس میں کچی کیری کو گرم راکھ میں ببول کر اس کا رس شامل کریں، اس میں تھوڑی چینی شامل کر کے مریض کو گھونٹ گھونٹ پلائیں، ان شاء اللہ فوری آرام آجائے گا۔

اس مضمون کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 31 اکتوبر ہے۔

بلاعنوان

صبا مسعود

گھرے سبزے سے ڈھکے اونچے پہاڑ ان سے گرتے جابجا شور مچاتے آبشار، اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر دوڑتے، کِھلکِھلاتے دریا کے نیلگوں پانی میں اپنا عکس دیکھتے اور قہقہے لگاتے بچے، اس وادی کی رونق نے وادی کا چپہ چپہ معمور کر رکھا تھا۔ سڑک کنارے بھٹے بھوننے کی اشتہا انگیز مہک ان لوگوں کو بھی بھوک لگا دیتی، جنھوں نے بھرپور کھایا ہو۔ کھلی کھلی تازہ آب و ہوا میں اُجلی رنگت چمکتی پیشانی اور اس پر اُبھرے پسینوں کے قطرے لیے میرے وہ پیارے پاکستانی ہیں، جن کے شب و روز محنت و مشقّت سے معمور ہیں۔ جن کی جیبیں پورے دن کی کمر توڑ محنت کے بعد بمشکل اتنی بھر پاتی ہیں جن سے دو وقت کا کھانا میسر آ سکے وہ جیب سے تنگ دست مگر دل کے امیر ہیں، ان کی ہستیاں مہمان نوازی کی صفت سے مزین ہیں۔ وہ اپنی بھوک کو دبا کر، مار کر شکر الحمد للہ دل سے پڑھ کر سوتے ہیں، اور اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر یا مہمان آ جائے تو نہایت خندہ پیشانی سے چشم براہ ہوتے ہیں۔

زندگی کی مشینی مصروفیات سے تنگ آ کر لوگ ایسی پرستان بستیوں کا رخ کرتے تھے۔ معمولاتِ زندگی جب تھکا دیتے، روح تک پژمردگی ڈیرے ڈال دیتی، اس وقت شہری باشندے دل کو بہلانے یا پھر اپنے مریضوں کو آب و ہوا تبدیل کرانے کی غرض لیے نکلتے، پھر چاہے وہ بلوچستان کے بارعب تاریخی پہاڑ ہوں، چمکتی سونے جیسے ریت کا انوکھا نظارہ ہو یا کوئٹہ کے باغات دیکھتے ہوئے آگے پنجاب کی حسین وادیوں کا سفر ہو۔ دن رات کھیتوں میں پسینہ بہاتے کسانوں کی مشقّت کے بعد لہلہاتے سرسبز و خوب صورت فصلوں کے کھیت اپنی جانب سیّاحوں کو کھینچ لیتے، جن کے قریب جھرر جھرر کرتے ٹیوب ویل کے پانی کی موٹی دھار کے نیچے نہاتے قل قل کرتے، گرمی بھگاتے بچوں کا نظارہ، اندر تک کی تھکن اتار دیتا۔

خدا کی قدرت کی صنّاعی کا منہ بولتا ثبوت وہ فلک بوس مخملیں سبزے سے ڈھکے پہاڑی علاقے آلودگی سے دور نکھرے نکھرے نظارے، جابجا بل کھاتے دریا سرحد کے حُسن کو بڑھاتے ہیں۔ وادیوں میں لگے اخروٹ و خوبانی کے درختوں سے پھل اتارتے، دریا کے شور مچاتے پانی میں پنڈلیاں بھگوتے، پلنگ پر بیٹھ کر ٹراؤٹ مچھلی کھاتے سیاح چند دنوں میں مہینوں، سالوں کی تھکن اتار کر چاک و چوبند ہونے یہاں آتے۔ بکثرت سبزے اور پھولوں کی وجہ سے جگہ جگہ اڑتی، شرارت کرتی رنگ برنگی تتلیاں آنکھوں کی تھکن کے جالے اتار پھینکتیں۔ شہروں میں ذرا ذرا سے فاصلے پر موٹر سائیکل اور گاڑی استعمال کرنے والے بھی یہاں بڑے شوق سے میلوں سبزے پر دوڑتے، چلتے شہروں میں مرغّن اور برانڈڈ کھانا کھانے والے یہاں کے دیسی، لیکن خالص کھانے بڑے شوق اور اشتہا سے کھاتے۔ جن کے معدے شہر کی آلودگی اور ناقص غذا کے باعث ہر وقت متورم رہتے اور اگلے کھانے تک بھوک ہی محسوس نہ کرتے، وہاں معدنیات سے بھرپور چشموں کا شفاف پانی ان کو جلد ہی بھوک لگا دیتا۔۔۔ دنوں میں پژمردہ ڈھلی جلد چمک دار ہو کر ایسی ہو جاتی کہ خون کی سُرخی نیچے سے جھلکنے لگتی۔

میرے جنت نظیر وطن کی ہر حسین وادی خدا کی طرف سے انمول تحفہ تھی، لیکن ایک روز جبکہ دن بھر کی تھکن سے چور ہو کر تھکے ہارے والدین معصوم بچوں کو آغوش میں لیے سو رہے تھے۔ ماں باپ کی مضبوط پناہ میں دنیا جہاں سے غافل بچے اور بچوں کے والدین کو خبر ہی نہ تھی کہ شوریدہ، ٹھاٹھیں مارتی چنگھاڑتی ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لینے والی بپھری ہوئی سیلابی لہریں ان سے کچھ ہی دور ان کو اجاڑنے کے لیے منہ کھولے پھنکاریں مارتی اژدہے کی مانند لپک رہی ہیں، وہ دیواریں ڈھاتی ہر ذی روح کو پٹختی اپنوں سے جدا کرنے والی بھیانک عفریت لہریں ہر نفس کو نگلنے کے لیے بے تاب ہیں۔

لہروں کے شور میں چیختی کُرلاتی ماؤں کے نوحے بھی دب گئے، جن کے ہاتھوں سے ان کے دیکھتے دیکھتے وہ خونی لہریں ان کے معصوم بچوں کو چھین کر لے گئیں اور ان بچوں کی فلک شگاف آہ و بُکا بھی دفن ہو گئی جو بہت مطمئن ہو کر دنیا کی سب سے مضبوط پناہ گاہ اپنے والدین کی آغوش میں سوئے تھے۔ ان بیویوں کے واویلے بھی دبا گئیں وہ لہریں جن کے سہاگ وہ قاتل لہریں ہڑپ گئیں اور ان بے بس لمبے تڑنگے، کڑیل جوانوں کی آہیں بھی نگل لیں جو باوجود کوشش کے اپنے کسی نہ کسی گھر کے فرد سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہائے افسوس۔۔۔۔!!

کیا تباہی سی تباہی ہے کہ ملک اِس جانب سے اُس جانب تک سیکڑوں نہیں ہزاروں گھرانے ایسے میں جو رُل گئے، مٹ گئے، تباہ ہو گئے، مال کی پریشانی پر ہی بندہ مجروح ہوتا ہے، مگر پھر بھی امید ہوتی ہے کہ دوبارہ مل جائے گا۔ مویشی چلا جائے تب بھی غمزدہ ہوتا ہے۔۔۔ مگر اس وقت کیا ہو جب ہر گھر سے، محلے سے کسی کا بھائی کسی کی بہن، کسی کی ماں کسی کی بیٹی، کسی کا باپ پانی کا تند و تیز ریلا نگل جائے اور وہ دیکھتا رہ جائے۔ جگر کیسے نہ چھلنی نہ ہو؟ آنکھیں کیسے نہ خون روئیں؟ کانوں سے آخر کس طرح اپنے پیارے کی وہ ڈوبتے ہوئے بچاؤ بچاؤ کی صدا نوچ سکے۔ اللہ اللہ۔۔۔۔!!

ایسے میں جب ان کے بستے چمن اُجڑ گئے۔ ان کے دل میں ویرانیوں نے نجانے کب تک کے لیے ڈیرے ڈال دیے۔ لقمہ کوئی منہ تک بھی لے جائے تو زبان کو یہ نہیں پتا کہ اب کیا کرنا ہے، دانتوں کی چکی گویا گھومنا بھول چکی ہے، کھلی آنکھوں پر بصارت نہیں، کان موجود مگر سماعت نہیں۔۔۔ ہاں! بس ایک ہی صدا ہے، شوریدہ لہروں کی اور بچاؤ بچاؤ کی۔۔۔ ہر نظارہ ختم، سوائے ہاتھ پاؤں مارتے اور پھر تیرتی لاشوں کے۔۔۔ ایسے میں بحیثیتِ مسلمان جیسا کہ قرآن شریف میں ہم کو "بُنیان مرصوص" "سیسہ پلائی مضبوط دیوار بتایا گیا، ہماری کیا ذمے داری ہے؟ مثال بس ایک ہی ہے، انصاری صحابہ نے کیا کیا تھا۔ کیسے مدد کی اپنے مہاجر بھائیوں کی، ۴۰ کی چیز ۴۰۰ کی کر کے یا پھر اپنے مال میں سے آدھا آدھا ہجرت جیسی قربانی دینے والوں کو دیا۔ ہم ایک زندہ قوم ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ کوئی بھی حادثہ ہمارے عزمِ اخوّت کو کم نہیں کرتا بلکہ اور بڑھا دیتا ہے۔

اب وقت آ گیا ہے کہ اپنے بچوں میں بھی یہ شعور ڈالیں، پروان چڑھائیں کہ ۵۰ کی جیب خرچی میں ۲۵ روپے سیلاب زدگان بھائی بہنوں کے لیے جمع کرو، نہ صرف مالی مدد، بلکہ ہر نماز کے بعد ان کے لیے دعا کی بھی شدید ضرورت ہے، تاکہ دامے، درمے، سخنے کیسے بھی۔ اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں ہم شرمسار نہ ہوں کہ ایسے کڑے وقت میں اپنے مسلمان بھائیوں، پاکستانی بھائیوں کے لیے ہم نے کیا کیا۔

ع شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

NEW Zaiby Jewellers
CLIFTON
A TRUSTED NAME IN JEWELERY SINCE 1974
Be Beautiful,
Be Timeless
021 35835455,
021 35835488
S-11 Yousuf Ground Square,
Block 8, Clifton, Karachi.
newzaibyjewellers

حفصہ فیصل

تیرے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

آخری حصہ

دیکھیے احسن صاحب! میں آپ کی کیفیت کو سمجھ سکتا ہوں، لیکن بچی کے والدین کو جو دراصل اس کے ماموں ممانی ہیں (مگر اس نے شروع سے انھیں ہی ماں باپ کے روپ میں دیکھا ہے) بلائیے، ورنہ میں سمجھتا ہوں بچی کی جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔ آج دوسرا دن ہے، بخار کی شدّت میں کوئی فرق نہیں آ رہا، جب واپس لینا تھا تو اس وقت دینا ہی نہیں تھا، اب بچی جذباتی وابستگی کی وجہ سے اس اچانک تبدیلی کو برداشت نہیں کر پا رہی۔ میری مانیے اور اپنی اہلیہ کو سمجھائیے، ورنہ میں کوئی خوش آئند نتیجے کی امید نہیں دلا سکتا۔" ڈاکٹر نے وضاحت سے احسن کو سمجھایا۔

احسن نے رابعہ آپی کو فون پر ساری صورتِ حال سمجھائی اور مدد کے لیے بلوایا۔

"نجمہ! میری جان تم نے بہن کو اطلاع بھی نہیں کی۔۔۔؟" رابعہ آپی فوراً اسپتال پہنچیں۔

نجمہ بہن کا کندھا پا کر سسک پڑی۔ رابعہ نے بھی لوہا گرم دیکھ کر بات شروع کی۔

"نجمہ! ضد چھوڑ دو۔ ویسے بھی وہ دینی نہج پر ہی چلا رہی ہے نا! جویریہ کو، اس میں برائی بھی نہیں۔ واپس کر دو انھیں۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ پچھتاوا ساری عمر کا روگ بن جائے۔۔۔"

"آپی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ مجھے دلاسہ اور تسلی دینے کی بجائے ان دونوں کی حمایت کر رہی ہیں۔" نجمہ نے درشتی سے کہا۔

"کرنا پڑ رہی ہے ان دونوں کی حمایت۔ ورنہ بچی ہاتھ سے نکل جائے گی، جانتی ہو ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے۔" رابعہ آپی تلخی سے بولیں۔

"کیا۔۔۔؟"

"ہاں! مجھے احسن نے فون کر کے بلوایا ہے کہ اسے سمجھائیں، ورنہ نتائج بہت برے ہو سکتے ہیں۔"

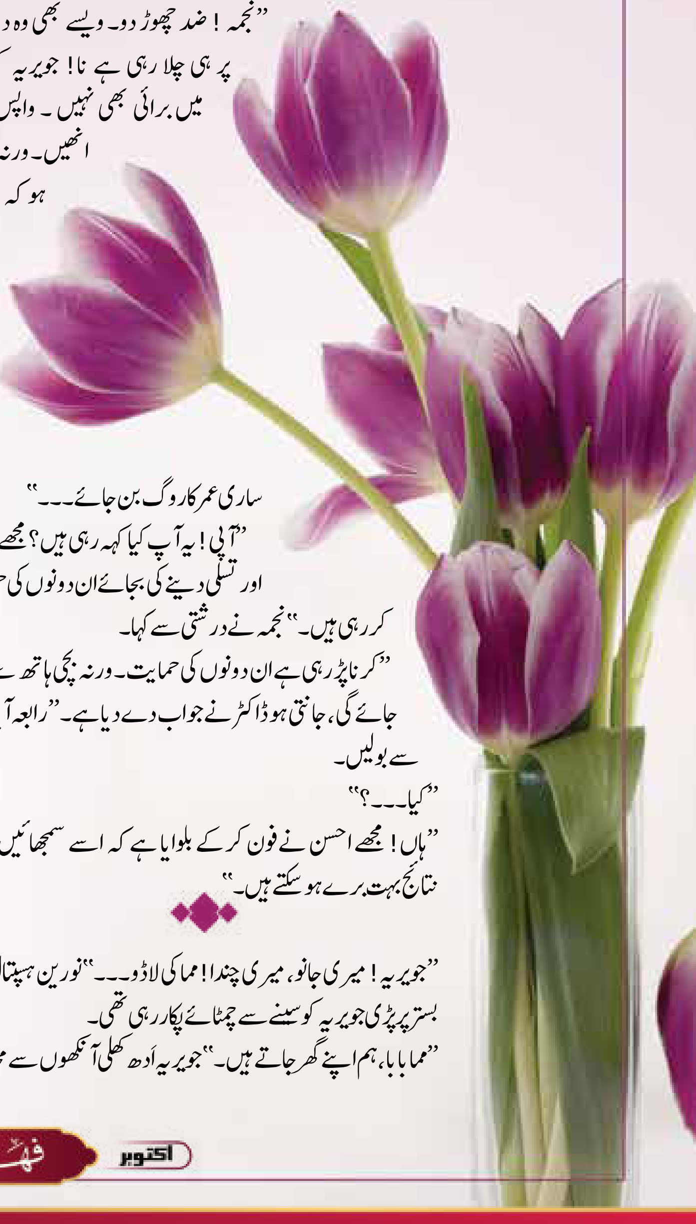

"جویریہ! میری جانو، میری چندا! مما کی لاڈو۔۔۔" نورین ہسپتال کے بستر پر پڑی جویریہ کو سینے سے چمٹائے پکار رہی تھی۔

"مما بابا، ہم اپنے گھر جاتے ہیں۔" جویریہ ادھ کھلی آنکھوں سے مخاطب تھی اور پھر ارسلان اور نورین کو دیکھنے کے دو گھنٹے بعد ہی جویریہ کی حالت سنبھلنے لگی اور رات تک ڈاکٹر نے گھر جانے کا بھی عندیہ دے دیا۔

نجمہ شرمندگی سے ارسلان اور نورین کے سامنے کھڑی تھی۔

احسن نے ارسلان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ارسلان نے اعلیٰ ظرفی سے نجمہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

نورین نے آسمان کی طرف دیکھا اور سوچا بے شک ہر تنگی کے بعد آسانی ہے۔ میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔ آج اس کے اعتقاد کو مزید تقویت ملی تھی اور اس نے دل میں اس راہِ حق میں آگے بڑھنے کا ایک اور عزم کیا تھا۔

جویریہ آج سے تم دونوں کی ہے، ہم اس کے کسی معاملے میں دخل نہیں دیں گے۔ احسن نے گھر کے بڑوں کے سامنے یہ فیصلہ سنایا۔ نجمہ اس فیصلے پر کسمسائی، مگر پچھلے دنوں کے حالات نے اسے چپ رہنے پر مجبور کر دیا۔

آج جویریہ کا مشہور و معروف مدرسے میں شعبہ تحفیظ القرآن میں پہلا دن تھا۔ ساڑھے پانچ سالہ جویریہ سفید لباس اور اسکارف کے ہالے میں نور کی پری لگ رہی تھی، پھر ربِّ کریم نے نورین کی مناجاتوں اور ریاضتوں کا وہ ثمر دیا کہ ایک دنیا نے اسے سراہا۔

آج دس سال بعد جویریہ درسِ نظامی کے دوسرے سال میں قدم رکھ چکی تھی۔ بارہ سال کی عمر سے مکمل شرعی پردے کا لحاظ کرنے والی جویریہ کو کسی نامحرم نے نہیں دیکھا تھا۔ ارسلان اور نورین کی وہ صحیح معنوں میں آنکھوں کی ٹھنڈک بن چکی تھی۔ نجمہ اکثر اسے اس روپ میں دیکھ کر کلس جاتی۔

"کاش! رابعہ آپی آپ کی باتوں میں آ کر میں اس کی پیدائش کے وقت یہ فیصلہ نہ لیتی۔ میری بچی کتنی گھٹی ہوئی زندگی بسر کر رہی ہے، نہ کوئی پہننے اوڑھنے کا سلیقہ آیا نہ ہی کہیں آنے جانے کا۔۔۔ اس نورین نے بڑی زیادتی کی میری بچی کے ساتھ۔" نجمہ دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔

اس پاک پروردگار کے معاملے بھی بڑے عجیب ہیں، کبھی بندوں کو دے کر آزماتا ہے تو کبھی لے کر آزماتا ہے۔ نجمہ بھی ایسی آزمائش سے گزری، لیکن پوری نہ اتر سکی۔

ماریہ اور فریحہ کو ماڈرن تعلیم اور تربیت کے ساتھ پروان چڑھا کر نجمہ نے اپنے تئیں ماڈرن گھرانوں میں بیاہا، لیکن دونوں چند دنوں کی چکا چوند کے بعد اب سسرال والوں کے ساتھ گھسیٹ کر زندگی گزار رہی تھیں۔

فریحہ کو تو ماں باپ سے ملنے بھی نہیں بھیجا جاتا تھا۔ ماریہ بھی کبھی کبھی چکر لگاتی تو ماں پر طنز و طعنوں کے تیر برسا کر دل چھلنی کر کے جاتی۔ دونوں بہنیں ہر وقت شکوہ کناں رہتیں۔ جبران نے آسٹریلیا کا اسکالرشپ حاصل کر کے والدین کو اس عمر میں داغِ مفارقت دے دیا۔ اسی دوران اٹھارہ سالہ جویریہ بھی ایک دین دار خاندان میں بیاہی گئی۔ نجمہ نے اس رشتے میں بھی رخنہ ڈالنے کی کوشش کی، لیکن احسن نے اسے اب کچھ نہیں کرنے دیا۔ جویریہ کی شادی کے فرض سے سبک دوش ہو کر نورین اور ارسلان نے حج بیت اللہ کا فیصلہ کیا۔

بقیہ صفحہ 23 پر

غلامی

روبینہ عبدالقدیر

آزادی کا سرور اسے رگ وپے میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے غلامی کسی بھاری طوق کی مانند اس کے ناتواں کندھوں سے اتر گئی ہو۔ طمانیت سے مسکرا کر اس نے اپنے اردگرد دیکھا۔ شاندار بنگلا، امپورٹڈ فرنیچر، حسین پھولوں سے سجا لان، پورچ میں کھڑی مہنگی ترین گاڑیاں، بنک میں جمع دولت کا انبار اس کی ٹھکار پر کئی نوکر اس کے اردگرد جمع ہونے لگتے۔ وہ اشارہ کرتا اس کے سامنے اس کی من پسند چیز حاضر ہو جاتی۔ جی حضوری کرتے نوکر ہر دم اس کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔

سامنے لگے شیشے کے دروازے پر اسے اپنی جھلک نظر آ رہی تھی۔ قیمتی لباس، خالص چمڑے کے بوٹ، مہنگا موبائل، ایک لاکھ کی گھڑی جو اس کی کلائی میں سجی تھی۔ نوٹوں سے بھرا پرس، یہ سب اس کے غلام ہی تو تھے۔

خود کو دیکھتا، حاکمیت کے نشے میں سرشار، نوکر کو اشارہ کرتے وہ شیشے کی دروازے کی جانب بڑھا۔ نوکر نے ادب سے اس کے لیے دروازہ کھولا، لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ باہر نکل گیا۔

اے سی کی خنکی میں اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

ڈرائیور گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا گاڑی چلا رہا تھا۔ ہلکی ہلکی بجتی قوالی نے گویا لوری کا کام کیا۔ نیند کے حملوں کی تاب نہ لاتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں وہ گہری نیند سو گیا تھا۔

تھوڑی دور جا کر گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ ڈرائیور نے اسے اٹھانے کی بجائے نیچے اتر کر گاڑی کا معائنہ کیا، لیکن گاڑی میں بظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آ رہی تھی۔ گاڑی کے بند ہوتے اے سی بھی بند ہو گیا اور بند کھڑکیوں کے اندر حبس بڑھنے لگا تھا۔ پسینے نے اس کی مہنگی شرٹ کو بھگونا شروع کیا تو گہری نیند سے وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ رکی گاڑی دیکھ کر اس نے نگاہ باہر دوڑائی اور کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا۔

”سر! گاڑی چل نہیں رہی نہ جانے کیا مسئلہ ہے؟“ ڈرائیور کے چہرے پر تفکر کی لکیریں واضح تھیں۔

وہ ڈرائیور سے زیادہ متفکر ہو گیا۔ اس نے ایک ضروری میٹنگ میں پہنچنا تھا۔

”تم جا کر کسی مکینک کا پتا کرو۔ میں تب تک انتظار کرتا ہوں۔“ اس کی ہدایت پر ڈرائیور نے دائیں جانب مڑتی سڑک کی طرف قدم بڑھا دیے۔ دروازہ لاک کر کے وہ گاڑی سے باہر نکل کر کھڑا ہو گیا۔ گرمی کی وجہ سے پیاس بھی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس نے آنکھیں چند لمحے کے لیے بند کیں تو گھر میں رکھے فریج کی یاد آنے لگی۔ آم و سیب کے جوس، دودھ کے ڈبے، ٹھنڈے میٹھے پھل اور جانے کیا کیا۔ یہ سوچ کر اس کی پیاس اور بڑھ گئی تھی۔ اس نے آس پاس نظر دوڑائی اور ایک جانب اگی سبز گھاس پر جا کر اپنے بازوؤں پر سر رکھے نیم دراز ہو گیا۔

بچپن سے اسے شوق تھا کہ وہ بڑا آدمی بنے۔ اس کا باپ کسی افسر کا نوکر تھا اور ہر وقت غلام بنے ہاتھ باندھے اس افسر کی چاکری کرتا رہتا تھا۔ بوڑھی ماں بھی نہ جانے کتنے بنگلوں کی مالکنوں کے گھر کام کرتی تھی۔ ماں باپ کے اندر غلامی اور احساسِ کم تری دیکھ کر اسے بچپن سے ہر چیز کو اپنا غلام بنانے کا جنون سوار ہو گیا تھا۔ دن رات کی محنت کے بعد اسے یہ مقام حاصل ہوا تھا۔ حاکمیت کی اس منزل کو حاصل کرنے کے لیے اس کی خون پسینے کی جدوجہد شامل تھی۔ ہوٹل کی بیرا گیری سے لے کر قلفی بیچنے تک۔ ہر کام اس نے کیا تھا۔ غلامی کے احساس سے نکلنے کے لیے اس نے ہر قسم کی غلامی اختیار کی تھی۔ غلامی کے تیروں سے نبرد آزما ہونے کے بعد کیا آج وہ فخر کا حق نہیں رکھتا تھا۔

”سر! مکینک آ گیا ہے۔“ ڈرائیور نے آ کر اطلاع دی تو وہ گہرے خیالوں سے چونکا۔ پیاس کی وجہ سے نقاہت طاری ہونے لگی تھی۔

”شکر ہے تم پانی لے آئے۔ ڈرائیور کے ہاتھ میں پانی کی بوتل دیکھ کر اس کی آنکھوں میں زندگی کی رمق دوڑ گئی۔ ڈرائیور سے پانی کی بوتل چھیننے کے انداز میں لی اور غٹاغٹ پانی پی گیا۔ ”پانی پی کر یوں لگا جیسے آبِ حیات پیا ہو۔ رگیں تر ہوئیں تو آج پہلی بار اسے لگا کہ زندہ رہنے کے لیے پانی کتنا ضروری ہے۔ یعنی ہم تو پانی کے بھی غلام ہیں۔ اس نے عقیدت سے پانی کی خالی بوتل کو دیکھا۔ بے اختیار اس کی نگاہیں مکینک کی جانب اٹھیں۔

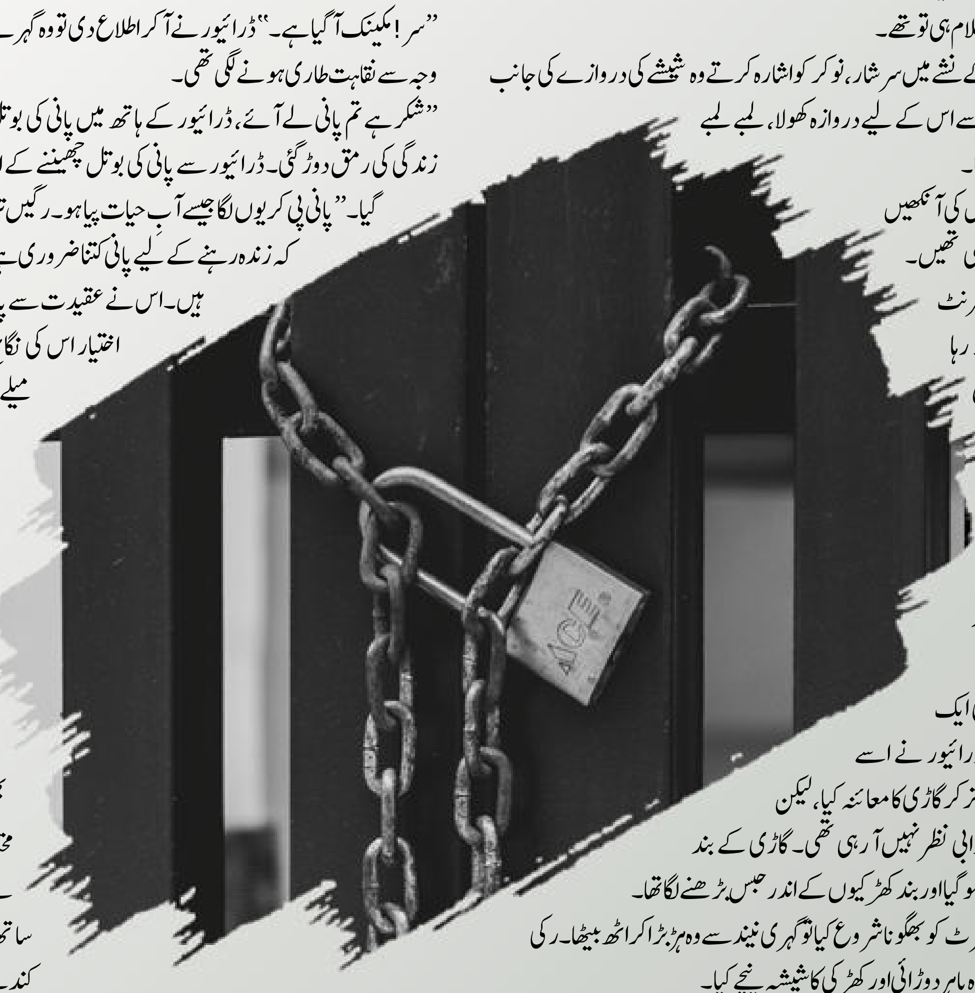

میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس مکینک جسے وہ ہمیشہ حقیر سمجھتا تھا، جس پر حکم چلا کر دل میں ایک خوشی سی محسوس ہوتی تھی، آج ادراک ہوا کہ گاڑی ٹھیک کروانے کے لیے وہ اس حقیر مکینک کا بھی محتاج تھا۔ اس کی ایک کڑور کی گاڑی بھی ایک میلے کچیلے مکینک کی محتاج تھی۔ اسے اس مکینک سے الفت محسوس ہوئی، لیکن ساتھ ہی غلامی کا طوق دوبارہ کندھے پر محسوس ہونے لگا تھا۔

گاڑی ٹھیک ہونے کے بعد وہ اندر بیٹھا تو ڈرائیور نے گاڑی کے ساتھ اے سی بھی چلا دیا۔ اے سی کی ٹھنڈک سے سکون محسوس ہوا اور وہ بڑبڑا اٹھا کہ ہم تو اے سی کے بھی غلام ہیں۔ ذرا دیر کے لیے اے سی بند ہوا تھا تو پسینے نے اس کے پورے بدن کو بھگو ڈالا تھا۔ اسے اے سی کی صحیح قدر آج معلوم ہونے لگی۔ غلامی کا طوق کچھ اور وزنی محسوس ہوا۔ دل پر بوجھ بڑھنے لگا تھا۔

وقت دیکھنے کے لیے گھڑی دیکھی تو گڑبڑا اٹھا۔ اسے لگا وہ گھڑی کا بھی غلام ہے۔ آج گھڑی نہ ہوتی تو وہ وقت کیسے جان پاتا؟ گھڑی نے جو وقت بتایا وہ اس کی میٹنگ کا وقت گزرنے کی اطلاع دے رہا تھا۔ بے ساختہ اس کا ہاتھ اپنی جیب کی جانب بڑھا، جہاں موبائل فون اس کا منتظر تھا۔ اس نے شرمندگی سے موبائل کان سے لگایا، وہ سمجھتا تھا کہ وہ برتر ہے، جب چاہے ہر طرح کا موبائل اس کے پاس آ سکتا ہے، لیکن آج احساس ہوا کہ کسی سے رابطہ کرنے کے

لیے وہ اس موبائل کا بھی محتاج تھا۔ پانی سے شروع ہوتی غلامی کی جنگ اب بڑھنے لگی تھی۔ وہ ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا، لیکن وہ تو خود ان سب چیزوں کی ملکیت میں تھا۔ اسے اپنی سوچ پر افسوس ہونے لگا تھا۔ فخر و غرور خاک میں ملنے لگا تھا۔ سارا تکبر جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔

لیکن دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ کاش! کوئی چیز تو میری بھی غلام ہوتی۔ کاش! میں یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہوتا کہ ہر چیز میری غلام ہے، لیکن نہ جانے کیوں۔۔۔ ہر چیز کے ہم ہی غلام کیوں ہیں؟ دفعتاً دل میں اٹھتی ہوک ایک سرور میں بدلی۔ اس نے نظریں باہر تیزی سے گزرتے مناظر کی جانب دوڑائیں۔ سوچ کا بے لگام گھوڑا دوسری سمت دوڑ رہا تھا۔

جن چیزوں کا میں غلام ہوں یہ سب بھی تو میرے غلام ہیں۔ بنگلا رہنے کے لیے انسانوں کا غلام ہے، نوکر نوکری کے لیے مالک کے غلام، لباس پہننے کے لیے کسی وجود کا غلام۔ گاڑی ڈرائیور کی محتاج، ڈرائیور گاڑی کا غلام۔ الغرض جہاں نگاہ دوڑائی جائے غلامی ہی غلامی دکھائی دینے لگتی ہے۔ غلامی کا طوق تو سب کے کندھوں پر دھرا ہوا تھا۔ زندگی کی روشنیوں میں چھپے اندھیرے اسے جکڑے ہوئے تھے، لیکن دور سے آتی مؤذن کی خوب صورت آواز میں اذان نے اسے ایک روشن تصویر دکھلائی۔ حقیقی روشنی تو آج محسوس ہو رہی تھی۔ ورنہ اذانیں تو اس سے قبل بھی سنائی دیتی رہتی تھیں۔ دل کے بدلنے کے لیے فقط ایک لمحہ چاہیے ہوتا ہے۔ شاید آج وہ لمحہ اس کے دل میں اتر گیا تھا۔ دل پگھل رہا تھا اور مسجد کی جانب جانے کے لیے ھمک رہا تھا، لیکن اللہ سے بات کرنے کے لیے وہ مسجد کا غلام تو نہیں تھا۔ رب تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تھا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ سے مخاطب ہوا کہ :

"یاالٰہی! تیرا نظام سب سے اعلیٰ و ارفع! تو نے سب کو برابری دی۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دی۔۔۔ تو ہر شے پر فوقیت رکھتا ہے۔۔ برتر بھی تو ہے حاکم بھی تو۔۔۔ ہر کوئی ہی غلامی میں جکڑا ہوا دکھائی دیتا ہے، چاہے وہ ایک خشک پتّا ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں! مالک ہے تو۔۔۔ فقط اللہ!! باقی ہر شے ایک دوسرے کی غلامی میں سفر کرتے کرتے آخر اس رب کے حضور ہی سر بسجود ہو گی، جو ہر شے کا مالک ہے۔"

دل میں ہر اس فعل پر شرمندگی محسوس ہونے لگی، جس میں غرور و تکبر شامل تھا۔ اس شرمندگی پر غلامی کا نادیدہ طوق ٹکرے ٹکرے ہو کر بکھر گیا تھا۔ اسے اپنا وجود ہوا کی مانند ہلکا محسوس ہونے لگا۔ ڈرائیور کو گاڑی کا رخ مسجد کی جانب موڑنے کا کہہ کر دھیرے سے مسکراتے ہوئے اس نے اپنا سر گاڑی کی پشت سے لگا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ رب کے حضور غلامی کا سجدۂ شکر بھی تو کرنا تھا ناں! رب کی غلامی کا تصور کرتے ہوئے آج وہ حقیقی معنوں میں غلامی سے آزاد ہو گیا۔۔۔

بقیہ

تیرے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

"مما بابا! مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟" جویریہ لاڈ سے بولی۔

"اب ہماری گڑیا اکیلی کہاں ہے؟ اتنی محبت کرنے والے میاں اور ان کے ماں باپ جو آپ کا خیال رکھنے کے لیے ہیں۔" ارسلان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

واقعی! جویریہ کے میاں اور سسرال والے بہترین لوگ ثابت ہوئے تھے اور یہ سب نورین کی دعاؤں کے طفیل تھا۔

"مگر بابا! چالیس دن بہت زیادہ ہیں، میں میکے کیسے آؤں گی؟" جویریہ روہانسی ہوتے ہوئے بولی۔

"ارے! نجمہ پھپھو کے پاس چلی جانا، وہ بہت خوش ہوں گی تمھیں دیکھ کر۔" نورین نے بیٹی کو سمجھایا۔ ویسے بھی جویریہ کے باشعور ہونے پر ارسلان اور نورین نے اسے مکمل حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔

"اداس ہو؟" زین نے جویریہ کی اداسی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"آج دس روز ہو گئے مما بابا کو گئے ہوئے، میں نے انھیں دیکھا ہی نہیں۔" جویریہ دکھی دل سے بولی۔

"اچھا! ایک کام کرو، آج نجمہ پھپھو کے ہاں چکر لگا آؤ، وہ بھی خوش ہوں گی اور تمہاری اداسی بھی کم ہو جائے گی۔" زین نے جویریہ کو بہلایا۔

"السلام علیکم!" جویریہ بلند آواز میں سلام کرتی نجمہ کے گھر میں داخل ہوئی، مگر گھر میں سناٹا دیکھ کر اسے پریشانی ہوئی۔ اتنے میں کام والی زینب نے بتایا کہ باجی کو بہت تیز بخار ہے، وہ بستر پر لیٹی ہیں۔ "ارے پھپھو! کیا ہوا آپ کو؟" جویریہ نجمہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر فکرمندی سے بولی۔

"میں نے تو ماریہ کو فون کیا تھا، تم کیسے آ گئیں؟" نجمہ نے کراہتے ہوئے کہا۔

"وہ پھپھو میں امی بابا کے لیے اداس ہو رہی تھی تو زین نے مجھے آپ کے پاس جانے کا کہا، لیکن آپ اتنی بیمار ہوں گی مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"آپ نے دوا کھائی؟"

"نہیں، وہ باورچی خانے میں رکھی ہے۔" نجمہ نے نقاہت سے کہا۔

"یقیناً آپ نے ناشتا بھی نہیں کیا ہو گا۔"

"اب میں آ گئی ہوں، آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

جویریہ نے سب سے پہلے ہلکا پھلکا ناشتا تیار کر کے نجمہ کو ناشتا اور دوا دی، پھر نجمہ سے آرام کا کہہ کر پھرتی سے کچن کے کام نمٹانے لگی۔ نجمہ کے لیے یخنی اور اپنے اور احسن صاحب کے لیے پلاؤ تیار کر کے اس نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر نجمہ کے بستر کے پاس آ کر اسے دم کرنے لگی۔ اسی دوران نجمہ کی آنکھ کھل گئی۔ جویریہ دھیرے دھیرے نجمہ کا سر دباتے ہوئے اس پر آیات دم کر رہی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے پھپھو؟"

"بہتر ہے۔" نجمہ نے دھیمے سے جواب دیا۔

پورا دن گزر گیا ماریہ اور فریحہ کا نا فون آیا نہ دونوں میں سے کسی نے چکر لگایا۔

رات کو احسن صاحب لوٹے تو جویریہ کو گھر میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

جویریہ نے کھانے کے بعد ان کو چائے دی اور آج رات یہیں رکنے کا بتایا۔ رات کو جب جویریہ نجمہ کے پیر دبانے لگی تو نجمہ نے کہا کہ "یہ کیا کر رہی ہو؟"

"ارے پھپھو! پیر دبانے میں کیا حرج ہے، میں امی بابا کے پیر بھی دباتی تھی، آپ کو پتا ہے والدین کی خدمت سے کیا اجر ملتا ہے؟" جویریہ نے نہایت جذب سے کہا۔

نجمہ آج نورین کی تربیت کی معترف ہو رہی تھی۔ تربیت دراصل دین کے اصولوں پر ہی درست ہوتی ہے، لیکن یہ بات نجمہ کو بہت دیر سے سمجھ آ رہی تھی۔

رات کو ماریہ اور فریحہ نے مصروفیات کا بتا کر نا آنے کا عذر بتایا۔ طبیعت پوچھی اور خیال رکھنے کا کہہ کر فون رکھ دیا۔

نجمہ اپنی تربیت اور نورین کی تربیت کا موازنہ کرتی کافی دیر تک جاگتی رہی۔

جویریہ اس کے پہلو میں سوئی معصوم پری لگ رہی تھی۔ کتنا نور تھا اس کے چہرے پر، قرآن کا نور، خوفِ خدا کا نور، اچھی تربیت کا نور۔۔۔

صبح جویریہ نے تین چار ڈشیں بنانے کی ترتیب بنائی اور دوپہر کے کھانے کے لیے نکال کر باقی سب فریز کر دیا، تاکہ پھپھو کو دو تین دن آرام رہے۔ شام میں زین لینے آ گئے، جویریہ نے پھپھو کو اپنا خیال رکھنے کی تاکید کی۔

نجمہ کے دل سے آج پہلی بار نورین اور ارسلان کے لیے دعا نکلی تھی۔۔۔

مہوش کرن

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں

پہلا حصہ

تابندہ بیگم دوپہر کے کھانے کے ساتھ اپنے آیندہ دنوں کا لائحہ عمل بھی تیار کر رہی تھیں۔ ناشتے کے وقت ان کے شوہر حامد صاحب نے اپنے بڑے بھائی واجد صاحب کی اگلے دن صبح کی ٹرین سے آمد کی اطلاع دی تھی۔

اہم بات یہ تھی کہ وہ اکیلے نہیں بلکہ رخشی کو بھی لے کر آ رہے تھے اور صرف ساتھ لا نہیں رہے تھے بلکہ یہیں چھوڑ کر بھی جانے والے تھے۔ کوئی اور معاملہ ہوتا تو یقیناً وہ بڑی خوش ہوتیں یا شاید خوش وہ ابھی بھی تھیں، لیکن مطمئن نہیں تھیں۔

لاڈوں کی پلی لیکن نہایت با سلیقہ اور نیک سیرت رخشی اُن کے شوہر کی اکلوتی بھتیجی تھی۔ اپنی کوئی اولاد نہ ہونے اور ہمیشہ ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے اور بھی زیادہ پیاری رہی تھی۔ ساس سسر ساتھ ہی رہتے تھے اور باقی دو چھوٹی نندیں اور ایک دیور اپنی اپنی شادیوں کے فوراً بعد ہی باہر چلے گئے تھے اور وہیں مقیم تھے، اس لیے ان کے بچوں سے لگاؤ اور محبت ہوتے ہوئے بھی وقتی ملنا جلنا ہی ہوتا تھا اور وہ سب تھے بھی بہت چھوٹے۔ رخشی تو تابندہ بیگم کی شادی کے وقت چھوٹی سی تھی اور ایک ہی مکان کے دو الگ حصوں میں رہتے ہوئے اِن کے سامنے ہی بڑی ہوئی اور اپنی منفرد طبیعت کی وجہ سے سب کی آنکھوں کا تارا بنتی گئی۔

دونوں بھائیوں کا کاروبار پھیلا تو حامد صاحب والدین کے ساتھ ملک کے دوسرے حصے میں آکر آباد ہو گئے، کیوں کہ کوئی اولاد نہیں تھی، اس لیے اسکول کالج کے جھمیلوں سے فرصت تھی اور کاروبار کی وجہ سے بھی آبائی شہر آنا جانا لگا رہتا، اسی طرح واجد صاحب بھی کام کے سلسلے میں آتے جاتے رہتے اور بیوی بیٹی کو بھی موقع بموقع ساتھ لاتے رہتے اور عیدیں تو اکیلے کرنے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، یوں رشتوں کی مضبوطی وقت کے ساتھ بڑھتی ہی گئی۔

رخشی کی شادی کے وقت بھی تابندہ بیگم جی جان سے ہر کام میں پیش پیش رہیں تھیں کیوں کہ اس وقت تک ساس سسر بھی دنیا سے گزر چکے تھے اور بھابی جان کو بھی ان کے ہونے سے بہت سہارا ملا، لیکن اب تو ایسا لگ رہا تھا جیسے سب بالکل بے سہارا ہو گئے ہوں۔

رخشی کی شادی کو کافی لمبا عرصہ گزر چکا تھا، لیکن اب تک کوئی اولاد نہ ہوئی تھی، نامور ڈاکٹروں کو بھی دکھا چکے تھے، لیکن سب کا ایک ہی جواب ہوتا کہ بظاہر تو کوئی مسئلہ نہیں ہے، آگے اللہ کی مرضی۔ تو بس اللہ کی مرضی کے آگے سرِ تسلیم خم کیے وقت گزرتا گیا اور اس بات کا گھر والوں نے کبھی کوئی مسئلہ بھی نہیں بنایا۔ سوائے اولاد کے اللہ کا دیا سب کچھ تھا، اپنا بڑا سا گھر جو راحیل نے رخشی کی پسند کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بنوایا تھا، نئے ماڈل کی گاڑیاں، بینک بیلنس، ہر سال رخشی اور راحیل دفتر کی سالانہ چھٹیوں میں گھومنے پھرنے بھی ضرور جاتے کبھی اندرونِ ملک تو کبھی بیرونِ ملک اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے شوق اور لگن سے حج اور عمرہ بھی کر چکے تھے۔

سسرال میں رخشی اور اس کے شوہر راحیل کے علاوہ بس سسر اور نند ہی تھے۔ سسر جھولی بھر بھر کر فرماں بردار بہو کو دعائیں دیتے اور نند بھی ہمیشہ چھوٹی بہنوں کی طرح رہتی۔ اسی نند کی شادی کچھ مہینے پہلے رخشی نے پوری ذمے داری سے نمٹائی تھی اور اسے محبتوں اور دعاؤں کے سائے میں بیرونِ ملک رخصت کیا تھا تو اب گھر میں بہت سناٹا سا محسوس ہوتا تھا۔

مگر پھر نصیب پر جو سناٹا طاری ہوا، اس کا جمود ٹوٹ نہیں پا رہا تھا۔

شادی سے فارغ ہونے کے ایک ہفتے بعد راحیل اپنے دفتری کام کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے تھے، ساتھ تو وہ رخشی کو بھی لے جانا چاہتے تھے، کیوں کہ اس ملک میں راحیل کے بہت سے قریبی رشتہ دار تھے اور کئی سال سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، لیکن گھر میں سسر کے اکیلے ہونے کی وجہ سے وہ نہیں گئی۔ یوں راحیل اکیلے گئے لیکن جب ایک مہینے بعد واپس آئے تو اُن کی سوچ اکیلی نہیں رہی تھی۔ اس بار تحفے تحائف بھی نہیں لائے تھے، مزاج بہت اکھڑا اکھڑا سا رہتا بس لیے دیے کام کی بات کرتے۔ ایسا لگتا محبت کہیں کھو گئی ہے۔ بہت دن تک رخشی اس کھوئی ہوئی محبت کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتی رہی مگر بے سود یہاں تک کہ راحیل کے انداز و اطوار کی تبدیلی رخشی کے سسر سے بھی پوشیدہ نہ رہی وہ بھی حیران و پریشان تھے کہ یکایک کیا ہو گیا۔ جب ایک دن دو ٹوک بات کی تو پتا چلا کہ وہ تو بہت کچھ اپنے دل میں بھرے بیٹھے تھے اور پھر سارا غبار ایک ساتھ ہی نکال دیا۔

جب وہ دفتری کام سے بیرونِ ملک گئے تھے تو وہاں بڑی خالہ اور بڑے ماموں نے انہیں احساس دلایا کہ اولاد نہ ہونے پر انہیں اب تک رخشی کو ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی، یہ رخشی اور اس کے میکے والوں کی چالاکی ہے تاکہ وہ ساری جائیداد پر قبضہ کر سکیں، اور اب تو انہیں دوسری شادی کر لینی چاہیے۔ یہ سب سن کر رخشی کی تو زبان گنگ رہ گئی مگر اس کے سسر فوراً بولے کہ یہ بات ہر ڈاکٹر بتا چکی ہیں کہ اولاد نہ ہونے میں رخشی یا تمھاری کسی کی کوئی کمی نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے وقت نہیں پھر اس کا کیا قصور؟ مگر ٹھیک ہے اگر تمھیں دوسری شادی کرنی ہی ہے تو یہ تمھارا حق ہے مگر اس گھر میں رہنے کا رخشی کا حق ہے۔ تم شوق سے دوسری شادی کرو مگر اس کے ساتھ عدل رکھنا اور دوسری بیوی کو اوپر کی منزل میں یا دوسرے گھر میں رکھنا تاکہ کسی کا دل خراب نہ ہو اور وقت کے ساتھ سب عادی ہو جائیں۔ اور یہ جو رویہ اپنا رکھا ہے تم نے اس کے ساتھ تو سب سے پہلے اس کی معافی مانگو اور مجھ سے بھی کیوں کہ یہ میری سگی بیٹی سے بھی بڑھ کر ہے۔ رخشی کو یہ سب سن کر بڑی تقویت ملی کہ چلو اب سب ٹھیک ہو جائے گا مگر راحیل کی آنکھوں پر جانے کیا پٹی باندھی گئی تھی کہ وہ تو کچھ سننے اور سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے بس بیوی کو فوری طور پر چھوڑنے کے لیے تیار تھے اور رخشی کو فوری اپنے میکے جانے کا حکم بھی دے دیا اور کہا کہ ڈرائیور کے ساتھ ابھی کہ ابھی یہاں سے چلی جاؤ۔ وہ بے چاری سمجھاتی بھی رہی اور روتی بھی رہی لیکن بے سود اور سب سے بڑھ کر کچھ سمجھ بھی نہیں آ رہا تھا کہ کیا ناگہانی آفت آپڑی ہے۔ نہ بوڑھے باپ کی چلنے دی نہ ہی وفا شعار بیوی کی قدر کی یہاں تک کہ زبردستی گاڑی میں بٹھا کر ڈرائیور سے بولا اسے گھر چھوڑ آؤ۔ ڈرائیور بھی سالوں پرانا تھا کچھ پریشان سا ہو گیا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے مگر ظاہر ہے ملازم تھا کیا بول سکتا تھا یہاں تو گھر والوں کی ایک نہ چلی، چپ چاپ رخشی کو گھر چھوڑ آیا۔

وہ خالی ہاتھ، بے سرو سامان گھر پہنچ کر شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھی اور مستقل بیمار تھی۔ اس کے سسر نے فون پر اس کے اباماں سے بات کر کے ساری صورتِ حال بتادی تھی اور خود بھی رخشی سے بات کر کے اسے تسلی دیتے رہتے تھے کہ میں راحیل کو سمجھا رہا ہوں، مگر وہ تو کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہ تھے۔ رخشی یا اس کے والدین کا فون تو اٹھاتے ہی نہ تھے اور گھر میں اپنے ابا کی بات سننے کے روادار نہ تھے، بہن بھی دن رات فون پر سمجھاتی مگر بے سود بس اسی سب میں مہینوں گزر گئے اُدھر راحیل کے ابا سخت بیمار پڑ چکے تھے اور اِدھر رخشی بالکل بے رونق، چپ چاپ بس زندگی گزار رہی تھی۔ اسی لیے سب نے سوچا کیوں نہ کچھ عرصے کے لیے اسے چچا جان کے گھر بھیج دیا جائے جہاں چچی جان کی صورت میں اس کی بہترین سہیلی موجود تھی اور آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی۔

اگلی صبح وہ لوگ مقررہ وقت پر پہنچ گئے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر کچھ دیر خوش گپیوں کے بعد دونوں بھائی تو دفتر چلے گئے اور چچی بھتیجی گھر میں رہ گئیں۔ تابندہ بیگم بغور اس کا جائزہ لیتی رہیں۔ رخشی سوائے ضروری بات کے اور ہوں ہاں کے کچھ بھی نہ بولتی بس کہیں کھوئے کھوئے سارے کام کرتی جاتی اور کام سے منع کر دو تو جا کر کسی جگہ خاموشی سے بیٹھ جاتی۔ اذان ہوتی تو نماز پڑھنے کھڑی ہو جاتی، گھنٹوں قرآن لے کر بیٹھی رہتی، بہت دیر تک ذکر میں مشغول رہتی۔ اس کے ابا تو واپس جا چکے تھے اور وہ یہاں ہوتے ہوئے بھی یہاں نہیں تھی۔ حامد صاحب اور تابندہ بیگم کئی بار گھمانے پھرانے باہر بھی لے گئے، لیکن اسی خالی الذہنی کے عالم میں وہ جا کر واپس بھی آجاتی۔ غرض اسی طرح کئی دن گزر گئے۔۔۔

دونوں میاں بیوی پریشان تھے کہ کس طرح رخشی کو اس سکوت سے باہر نکالیں۔ ایک دن کچن میں کام کرتے ہوئے تابندہ بیگم یہی سوچ رہی تھی کہ کوئی حل سجھائی دے جائے ساتھ ہی رخشی بھی گم سم سی کھڑی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

انھوں نے کہنا شروع کیا دیکھ رہی ہو رخشی کیسے یہ پرندے روز دانا اور پانی لینے باغ میں اترتے ہیں، گرمی ہو یا سردی چاہے بارش، موسم کا تغیر ان کے معمولات میں کوئی فرق نہیں لاتا۔ بس اپنی پیاری چہچہاہٹ سے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے رہتے ہیں۔

پتا ہے چچی جان! ابا جان بھی یہی کہتے تھے کہ میں اپنے گھر میں چہچہاتی پھرتی ہوں۔۔۔ یا شاید ان کے گھر میں کیوں کہ میرا گھر تو نہیں تھا وہ۔۔۔ اور پتا ہے بابا جان بتا رہے تھے کہ ابا بہت زیادہ بیمار رہنے لگے ہیں۔۔۔ مگر میں کیا کر سکتی ہوں؟ رخشی اداسی سے بولی۔

ہاں واقعی تم کچھ نہیں کر سکتی، کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا، سوائے دعا کے، خاندان کے بڑے مسلسل راحیل سے بات کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، لیکن فی الحال ان کا دل سخت ہے، مگر اللہ تعالیٰ جلد ہی کوئی نہ کوئی سبب پیدا کر دے گا، ان شاء اللہ لیکن یہ بتاؤ کہ زندگی کے نشیب و فراز کی وجہ سے تم نے کیوں اپنے معمولات بدل دیے، اپنے آپ کو بالکل چھوڑ دیا تابندہ بیگم نے امید دلائی اور پوچھا۔

کتنے مہینے گزر گئے ہیں، چچی جان، مجھے سمجھ نہیں آتا میں کیا کروں، کہاں سے چیزوں کا سرا پکڑوں، کیسے سب کچھ ٹھیک کر دوں؟ جب کہ میری تو کوئی غلطی بھی نہیں، راحیل کیسے اتنے کٹھور ہو سکتے ہیں، اتنے ظالم۔۔۔ وہ کہتے ہیں کہ جلد مجھے طلاق دے دیں گے۔۔۔ میں نے تو ہمیشہ سب کے ساتھ بھلائی کی، احسان کا معاملہ رکھا۔۔۔ کیا میں اتنی بری ہوں، کیا کسی بھی بھلائی کے قابل نہیں میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ میرا دل کتنا دُکھتا ہے، کبھی کبھی سینے میں ٹیسیں اٹھنے لگتی ہیں، جائے نماز سے اٹھنے کا دل نہیں چاہتا، زندگی بے زار ہو گئی ہے، بس سراپا دعا بنی رہتی ہوں کہ اللہ کے رحم و کرم کے انتظار تک میری ہمت بندھی رہے۔ رخشی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور اپنا دل ہلکا کر رہی تھی۔ تابندہ بیگم نے اسے دل کھول کر رونے اور بولنے دیا، کیوں کہ دل تو دُکھا تھا نا! وہ غلط تو نہیں رو رہی تھی، ظلم تو ہوا تھا نا! وہ سچ مچ تکلیف میں تھی۔۔۔

جب رو رو کر تھک گئی اور چپ ہوئی تو انھوں نے بولا کہ اچھا یہ پانی پیو اور کمرے میں ہیٹر کے پاس جا کر بیٹھو، بارش تیز ہونے سے سردی بڑھ گئی ہے، میں ابھی کافی بنا کر وہیں لاتی ہوں۔ (جاری ہے)

جُنید امِین

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

صدقے سے علاج

ارم شمیم

تَصَدَّقُوْا وَدَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ (البیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ "اپنے بیماروں کا علاج صدقے سے کیا کرو۔"

قَالَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ بَاكِرُوْا بِالصَّدَقَةِ (المعجم للطبرانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "صدقہ دینے میں جلدی کرو اس لیے کہ بلائیں صدقات کو نہیں پھلانگ سکتیں۔"

انڈونیشیا سے خادمات کا سعودی عرب میں آنا جانا عام سی بات ہے۔ سعودی گھرانوں میں ہزاروں کی تعداد میں انڈونیشین خادمات کام کرتی ہیں۔ ایک سعودی گھرانے میں خادمات مہیا کرنے والے ریکروٹینگ ایجنٹ کی معرفت خادمہ بلوائی، خادمہ نے گھر میں کام کرنا شروع کر دیا۔ گھر کی مالکن نے چند دن کے بعد غور کیا کہ خادمہ چپ چاپ اور اداس سی رہتی ہے، اس نے محسوس کیا کہ یہ چھپ چھپ کر روتی بھی رہتی ہے۔ سعودی عرب میں ابھی اسے ہفتہ دس دن ہی گزرے تھے کسی نے اسے کچھ کہا بھی نہیں پھر یہ کیوں روتی ہے؟ ایک دن سعودی مالکن نے خادمہ کو اپنے سامنے بٹھایا، اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگی: "میری بیٹی! بتاؤ کہ تم ہر وقت روتی کیوں رہتی ہو؟ ہر وقت تمہاری آنکھیں سوجی رہتی ہیں۔" خادمہ نے حوصلہ پا کر اشارے سے اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بتایا کہ میں ایک مدّت سے سعودی عرب آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایجنٹ کو نقد رقم پاسپورٹ جمع کرا رکھا تھا، اس دوران میری شادی ہو گئی۔ وقت گزرتا چلا گیا، میری سعودی عرب آنے کی خواہش زوروں پر تھی۔ ایجنٹ کے ساتھ میرا مستقل رابطہ تھا، اس دوران خدا تعالیٰ نے مجھے بیٹا عطا کیا۔ میرے بیٹے کی عمر دس بارہ دن کی تھی کہ ایجنٹ نے بتایا تمہارے کاغذات مکمّل ہو گئے ہیں۔ تمہیں فوری طور پر سعودی عرب جانا ہو گا۔ ایک طرف بیٹا اور اس کی محبت، دوسری طرف غربت اور سعودی عرب آنے کی خواہش!! میں گھریلو حالات سے مجبور تھی، اس لیے بیٹے کو چھوڑ کر سعودی عرب آ گئی۔ اب مجھے میرا بیٹا بہت یاد آتا ہے۔ میں اس کی محبت میں دیوانی ہو گئی ہوں، اس لیے اسے یاد کر کے روتی رہتی ہوں۔ سعودی مالکن نے ایک لمبی آہ بھری کچھ دیر سوچا اور اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ رب کو راضی کرنے کا اور صدقہ جاریہ کرنے کا بہترین موقع ہے۔ اسلام میں سب سے بہترین کام کسی مسلمان کو خوشی دینا ہے اور پھر اس نے ایک عجیب اور غریب فیصلہ کیا وہ اندر گئی، پیسوں والی الماری کھولی۔ اس نے خادمہ کی دو سال کی تنخواہ کا حساب کیا، رقم گنی اور اسے لے کر خادمہ کے پاس آ گئی۔ کہنے لگی: "یہ دو سال کی پیشگی تنخواہ رکھو، میں ابھی تمہاری سیٹ بک کرواتی ہوں، تم فوراً انڈونیشیا روانہ ہو جاؤ، دو سال تک اپنے بیٹے کو دودھ پلاؤ، جب دو سال کا ہو جائے تو ہمیں فون کر دینا ہم تمہارے لیے دوبارہ ویزا بھجوا دیں گے، تم پھر سے سعودی عرب آ جانا۔"

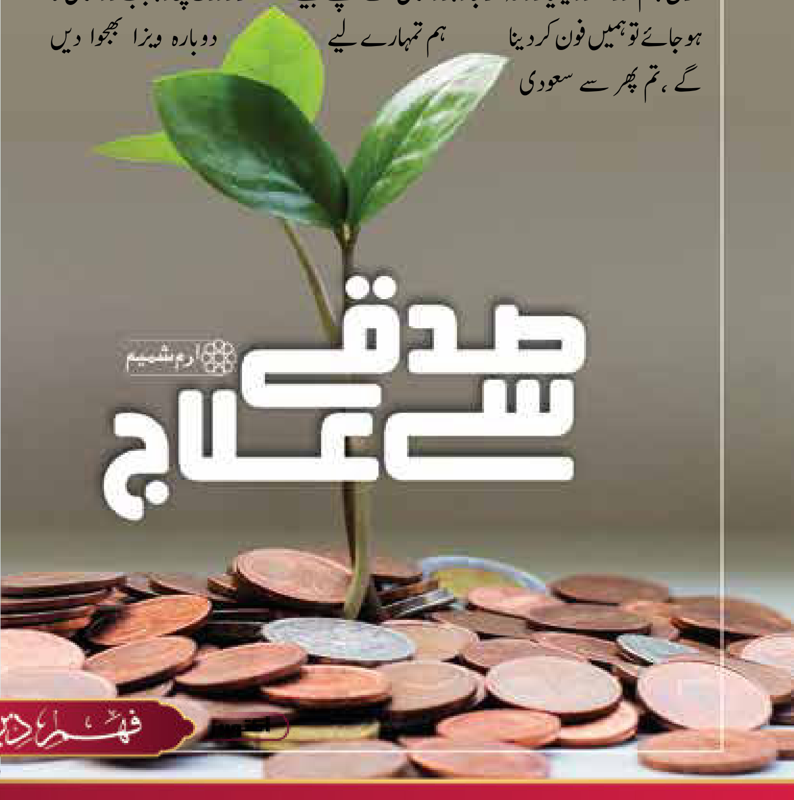

یہ خادمہ صرف اس خاتون کے لیے ہی بلائی گی تھی جو خون کے کینسر میں مبتلا تھی، تاکہ یہ اس کی خدمت کر سکے، جب خاتون نے اسے واپس بھیجنے کا ارادہ کیا تو بیٹے نے کہا: "امی جان! آپ بیمار ہیں آپ کے لیے تو اسے بلایا تھا، آپ اس کو واپس بھیج رہی ہیں؟" خاتون نے کہا: "اس کے بنا بھی میں گزارا کر لوں گی۔" ہسپتال میں اس کا معائنہ ہوتا رہتا تھا، جب اب کی بار ہسپتال گئی تو اس کی ٹیسٹ رپورٹ منفی (نیگیٹو) آئی، اس کی مہلک بیماری کا نام و نشان ہی مٹ چکا تھا۔ ڈاکٹر حیران تھے کہ اس اسٹیج تک پہنچنے کے بعد یہ ٹیسٹ رپورٹ کیسے صاف آ گئی، احتیاطاً دوبارہ ٹیسٹ کروائے گئے، مگر شافی الامراض رب کی طرف سے شفا نازل ہو چکی تھی، سب مبارک باد دینے لگے، یہ خاتون صرف اپنے رب کا شکریہ ادا کرتی رہی، بے شک صدقے سے ہر بلا ٹلتی ہے۔

ذرا غور کیجیے!! اس عورت نے کتنا خوب صورت فیصلہ کیا تھا۔ اس قسم کے فیصلے انسان کو انسانیت کے بلند مقام پر فائز کر دیتے ہیں اور حق تعالیٰ کے نزدیک اس کے مرتبے کو بہت بڑھا دیتے ہیں۔

عہد جو ہم وفا نہ کر سکے

امۃ اللہ

دونوں خالائیں آپس میں تصویریں کھنچوا رہی تھیں، وقت کی رفتار نے مجھے ہرا دیا تھا میں وہیں بیٹھی کسی چہرے کو تلاش کر رہی تھی جو کبھی ان دو میں تیسرا تھا مگر نہ جانے کہاں تھا؟

وہی شہنائیاں وہی رونقیں وہی اپنی موج پہ زندگی

تیسری چیئر خالی تھی مگر اس جگہ کا کسی کو خیال بھی نہ تھا

عجب تھا کہ کوئی حقیقت خواب ہو گئیکسی ایک خونی رشتے نے بھی لمحہ بھر تو کیا امی کا ذکر نہ کیا۔

وہ دارِ فانی سے کوچ کرنے والی کس طرح اپنے پرایوں پر جان چھڑکتی اور واری جایا کرتی تھیں۔ بس نہیں چلتا تھا کہ دل نکال کر رکھ دیں دستر خوان پر ان کے سامنے۔

میں وہیں کسی دل کے کمرے پر کھو جانے والی چیز کا صدمہ لیے بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اگر امی دیکھ لیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے اس دنیا سے پلٹنے کے بعد کسی نے مڑ کر لمحہ بھر بھی نہ دیکھا اور چلے جانے پر اک آہ بھی نہ نکلی

بلکہ سب کچھ اپنی جگہ رواں دواں اور مطلب پرستی کی اس دنیا میں دستور کے موافق سلام دعا قائم ہے تو وہ کبھی اس جہاں میں لوٹنے کا تصور نہ کریں۔

اس جہاں سے چلے جانے کے بعد امی کو ضرور بتاؤں گی کہ تمہارے جانے کے بعد اس دل کے ساتھ کیا کیا ہوا اور اس نازک مزاج بیٹی کو کیا کیا سہنا پڑا۔

سوچا تھا کہ دھڑکن ہی تم ہی سے جا ملی ہے سانسیں تو چل رہی ہیں زندگی ختم ہو چکی ہے۔

آنکھیں جب مشاہدہ کریں مطلب پرست رشتے داریوں کا اور ہر محبت کی حقیقت جب کھلنے لگے تو نہ تو یہ دنیا اچھی لگتی ہے نہ اس دنیا میں بسنے کو جی چاہتا ہے۔ امی میں تمہارے بعد زندہ ہوں جبکہ تم ہی میری زندگی تھیں اور حیرت زدہ ہوں کہ سب کی حقیقت جاننے کے بعد بھی تمہارا دل موم کی طرح نرم اور تمہاری محبت کی لو میں بلا کی روشنی تھی۔

جو تم بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم

اس عہد کو ہم نہ وفا کر سکے

تمہارا دامن خار دار کانٹوں کے لیے بھی اُلفت سے بھرا تھا اور حیرت ہے تم صبر کا مجسمہ تھیں کیا حسین آنکھیں تھیں جو عیبوں کو پلکوں کے پیچھے چھپا گئیں اور کیا ہی غضب کی مسکراہٹ تھی جو تلخیوں کو لبوں میں دبا گئیں۔ سلامتی ہو تم پر اور اللہ تمہیں نازوں میں رکھے۔ آمین

بارہویں کا چاند

قرات گلستان

کمرے میں پھیلی دواؤں کی بو اور سینیٹائزر کی خوش بو جیسے نتھنوں سے لے کر اب دماغ میں گھسنے لگی تھی۔ دور تک بستر ہی بستر اور ان پر لیٹے ایک ہی جیسی اذیت اٹھاتے مریض۔

کہیں سے آہ تو کہیں سے سسکاری سنائی دیتی تھی۔ صفیہ نے ایک گہری نظر ہڈیوں کے ڈھانچے جیسے اپنے شوہر پر ڈالی اور اس نے چہرے پر رقم اذیت کو ایک نظر دیکھ کر ہی کانپ اٹھی۔

کتنا مشکل ہے نا عزیز تر کو موت سے گلے ملتے دیکھنا، ایک ایک لمحہ جیسے وہ خود بھی موت کے منہ میں اتر رہی تھی۔

"صفیہ۔۔۔" سلیم نے زیرِ لب کہا تھا، وہ لپک کر اپنا کان اس کے منہ کے پاس لے گئی۔

"جی سر تاج۔"

"حاجی میاں کو کہنا میرے بیوی بچوں کا خیال رکھے۔" ایک ایک لفظ اٹک اٹک کر کہتا سلیم صفیہ کی جیسے شہ رگ کاٹ رہا تھا۔

"جی وہ تو ہمیشہ سے خیال رکھتے ہیں۔" صفیہ کے گلے میں یہ کہتے ہوئے آنسوؤں کا گولا پھنس گیا تھا۔

"ہاں لیکن میرے بعد۔۔۔ خاص۔۔۔" سلیم کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں، صفیہ سختی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کرتی رہی۔

"اللہ بہت بڑا ہے سلیم!" صفیہ نے سلیم سے زیادہ شاید خود کو تسلی دی تھی۔

"بے شک۔" سلیم نے برجستہ کہا اور آنکھیں موند لیں۔ صفیہ کے آنسو تواتر سے بہنے لگے تھے۔ کینسر کے آخری اسٹیج پر سرکاری ہسپتال کے زرد پڑتے شکن آلود بستر پر لیٹا یہ مریض "حاجی میاں" کی سب سے پیاری اور لاڈلی بہن کا شوہر تھا۔

"حاجی میاں۔" زیرِ لب کہتے ہوئے صفیہ رو پڑی تھی۔

◆◆◆

"بارہویں کا چاند آیا، بارہویں کا چاند۔۔۔" جھنڈیوں اور بتیوں سے سجے ٹرک پر بڑا والا لاؤڈ اسپیکر رکھ دیا گیا تھا۔

ساتھ ہی محلے کے سارے بچے اس ٹرک پر لد گئے تھے۔ حاجی میاں خود دس والے نئے نئے نوٹوں کی کئی گڈیاں لے کر ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے اور پیچھے سارے بیٹے، نواسے، پوتے، بھانجے، بھتیجے، ہزاروں کے بسکٹ، ٹافی، چپس، پھل اور جوس کے پیکٹ لیے بیٹھے تھے۔

حاجی میاں کا یہ ٹرک بارہ ربیع الاوّل کی صبح ہی جلوس میں شرکت کے لیے تیار ہو جایا کرتا تھا۔ اور گھر میں یہاں سے وہاں تک دیگیں پکتی تھیں جن کو کھانے والے صبح سے رات تک آتے رہتے تھے۔

جشنِ ولادت النبی ﷺ حاجی میاں ہر سال اسی جوش و خروش سے مناتے تھے۔ اس ایک دن میں حاجی میاں کے کئی لاکھ خرچ ہوتے تھے، لیکن وہ انتہائی خوشی سے کہتے: "آقا ﷺ پر تو جان بھی قربان ہے، مال کی کیا اوقات۔"

"آقا ﷺ کے چاہنے والوں میں صفِ اوّل میں کھڑے ہوں گے ہمارے حاجی میاں۔" پچھلے سال صفیہ نے جھوم کر کہا تھا اور آج۔۔۔

"حاجی میاں، کاش! آپ نے ایک نظر میری طرف دیکھا ہوتا۔" صفیہ رو پڑی تھی۔ سوچیں تھیں کہ امڈی چلی آ رہی تھیں۔

◆◆◆

سلیم کمزور تو روز بروز ہی ہو رہا تھا۔ وزن اچانک سے ہی کم ہوا تھا اکثر کہتا پیٹ میں درد ہے۔ یہ کس کو پتا تھا کہ کینسر جیسا موذی مرض لاحق ہے، جس دن پتا چلا صفیہ روتی پیٹتی حاجی میاں کے پاس گئی تھی۔ ایک وہی تو سب کے کرتا دھرتا تھے۔ صفیہ کو خوب تسلی دی۔ مختلف ڈاکٹروں کو دکھانے خود ساتھ لے گئے، لیکن جیسے ہی پتا چلا کہ کینسر بالکل آخری اسٹیج پر ہے اور زندگی کا چانس صرف چند فیصد ہے تو فوراً ہی علاج معالجے پر خرچ کرنے سے ہاتھ روک لیا۔

صفیہ نے پریشان ہو کر اپنا زیور نکالا اور حاجی میاں کے پاس آئی کہ بیچ کر علاج کروا دیں پر انھوں نے اُس کا زیور بھی لے کر اپنے پاس رکھ لیا۔ وہ بار بار پوچھتی وہ ہر بار ٹال دیتے۔ آخر ایک دن وہ رو رو کر ان کے پاؤں میں بیٹھ گئی۔

"حاجی میاں بے شک اپنے پاس سے نہ کریں میرا زیور تو دے دیں، میرا میاں تکلیف سے کراہتا ہے مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔" اس دن حاجی میاں خود بھی صفیہ کے ساتھ روئے تھے۔

"دیکھ منی! سلیم پر زیور، زمین سب لگا دیں گے، تب بھی وہ نہیں بچ پائے گا، حقیقت یہی ہے اس کا مرض آخری مرحلے پر ہے۔ بس تو صبر کر، یہ بیماری بندے کے ساتھ ساتھ ساری جائیداد بھی کھا جاتی ہے۔ زیور، زمین بیچ کر خالی ہاتھ ہو کر کیسے بٹھا دوں تجھے۔" حاجی میاں نے سر پر ہاتھ رکھ کر سمجھانے کی کوشش کی تھی، لیکن صفیہ بدک گئی تھی۔

صفیہ روئی، پیٹی، لڑی یہاں تک کہ ناراض ہو کر اپنے گھر کی ہو کر رہ گئی تھی، لیکن حاجی میاں ٹس سے مس نہ ہوئے۔

سلیم کی تکلیف دیکھ کر صفیہ نے سرکاری ہسپتال کا رُخ کر لیا تھا۔ سلیم کو علاج کے ساتھ ساتھ اچھی خوراک کی بھی ضرورت تھی، لیکن حاجی میاں شاید اس کے مرنے کی خبر آنے کے انتظار میں تھے۔

آج پھر حاجی میاں کا عید میلاد النبی کا جشن منانے کے لیے ٹرک تیار ہو گیا تھا۔ سلیم سرکاری ہسپتال پر لیٹا اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

ہائے کوئی آقا ﷺ کا چاہنے والا ہماری بھی خبر لے لے۔ سڑکوں پر سیب اور نارنگی پھینک پھینک کر بانٹنے والے کوئی تو اس ہسپتال کا بھی رُخ کر لے۔ سچے آقا کے سچے چاہنے والو! اپنوں کو ڈانٹ اور غیروں میں بانٹ کے کون سا ثواب کما رہے ہو؟

سڑکوں پر شور مچاتے لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی میرے آقا ﷺ کی مدح تمہاری کیسی محبت کا ثبوت ہیں۔

صفیہ دل ہی دل میں حاجی میاں سے جھگڑ رہی تھی اور سلیم نہ جانے کب سانسوں کی ڈوری توڑ کر اگلے جہاں سدھار گیا تھا۔

برگ و بار

عظمیٰ ظفر

وہ جامن کے درخت کی گوڈی کر رہے تھے۔ نوکری سے فارغ مرد حضرات کو عمر رسیدگی بھی ٹک کر کہاں بیٹھنے دیتی ہے۔
کبھی گھر کے پنکھے صاف کر دیے اور کبھی پانی کی بوتلیں بھر دیں، کبھی بلاوجہ اس کمرے سے اس کمرے تک چلے گئے، اخبار پڑھ لیا، خبریں دیکھ لیں، لیکن باغبانی کا شوق کم نہیں ہوا تھا۔
فاکہہ کو معلوم تھا ابا اس وقت کہاں ہوں گے، وہ وہیں چلی آئی۔
”ابا جامن کا درخت کتنا بڑا ہو گیا ہے، مگر پھل کیوں نہیں دیتا؟“
فاکہہ کو اس درخت سے یہی شکایت تھی جو اس نے ابا کے گوش گزار کر دی۔
ابا نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کہنے لگے: ”یہ ابھی چھوٹا درخت ہے، دیکھنے میں بڑا لگ رہا ہے، مگر ابھی اس کی عمر پھل دینے والی نہیں ہوئی۔
تم دیکھنا جب یہ پھل دے گا، تب میں نہیں رہوں گا پھل کھانے کے لیے۔“
انھوں نے گوڈی مکمل کر کے درخت کے اطراف میں مٹی سے دائرہ بنانا شروع کر دیا۔
”یہ کیا بات ہوئی۔“ اس نے منہ بنایا۔
”آپ نے درخت لگایا ہے تو کیا آپ پھل نہیں کھائیں گے؟ ویسے کیا ہم پھر گھر تبدیل کریں گے؟ ہم کب تک کرایے کے گھر تبدیل رہیں گے ابا؟“
فاکہہ نے جھک کر ابا کی مدد شروع کر دی۔
”تم دعا کرو بس۔“ ابا نے پُر امید ہو کر کہا۔
”اچھا، وہ چونے کا تھیلا اٹھا کر دو۔“ انھوں نے اشارہ کیا، فاکہہ نے تھیلا ان کی طرف بڑھایا۔
ابا نے تھیلے سے چونا پاؤڈر نکال کر درخت کی جڑوں میں چھڑکاؤ کیا اور دوسرے پودوں کی طرف بھی۔
”ابا چونا کیوں ڈالتے ہیں پودوں میں؟ یہ تو بہت تیز ہوتا ہے۔ اماں کے پاندان سے چکھا تھا تو وہ ڈانٹنے لگیں کہ زبان کٹ جائے گی ہائے، چونا تیز ہوتا ہے۔“ فاکہہ کو یاد آیا تو منہ میں زبان پھیرنے لگی۔
ابا اس کے بھولپن پر ہنس پڑے۔
”مختلف طرح کے کیڑے مکوڑوں سے بچانے کے لیے اور پودے کی ضرورت بھی ہوتی ہے، کبھی کبھار کھاد کے علاوہ دوائیں اور چونا بھی ڈالا جاتا ہے۔
فاکہہ! درختوں کی حفاظت ہر طرح سے کرنی پڑتی ہے، ورنہ یہ خراب ہو جائیں گے۔“ ”لیکن ابا! امرود میں سے تو یہ موٹے موٹے کیڑے نکلے تھے جب کہ آپ نے تو دوا بھی ڈالی تھی۔
(اس نے موٹے موٹے پر زیادہ ہی زور دیا) اور کل اماں کے ساتھ مٹر چھیل رہی تھی تو اس میں سے بھی سونڈی نکلی تھی۔ اس وقت آپ سو رہے تھے، ورنہ میں آپ کو دکھاتی۔“
وقاص نے ماچس کے ڈبے میں رکھ دیا ہے، کہہ رہا تھا اس میں سے تتلی نکلے گی، ہیں ابا!!! سچ میں ایسا ہوگا۔
فاکہہ کی آنکھیں تجسّس سے بھرپور تھیں، انھوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔
”جھوٹا کہیں کا“، فاکہہ نے دل میں کہا۔
ابا نے موتیے کے جھاڑ کو تراشنا شروع کیا، اتنے میں فاکہہ ہاتھ دھو کر آ گئی۔ بالوں کی لٹ منہ پر آ رہی تھی۔
”ابا! آپ تو کہتے ہیں پیڑ پودے درخت بھی اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، جب وہ اتنی عبادت کرتے ہیں تو ان میں کیڑے کیوں لگ جاتے ہیں، کیا ان کو بھی سزا ملتی ہے۔“ اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔
ابا نے سوکھے پھولوں کو الگ کیا اور موٹی موٹی بیلے کی کلیاں اتار لیں، فاکہہ نے جھٹ فراک کا دامن ان کے سامنے کر دیا۔ ابا نے کلیاں اس کے جھولے میں ڈال دیں۔
”ہاں میری بچی! درخت پودے کیا تمام ہی مخلوق اللہ کی عبادت کرتی ہے، صبح و شام تسبیح کرتی ہے، لیکن سب کو اپنا رزق بھی تو چاہیے۔ ہو سکتا ہے اللہ اس درخت کو کیڑوں کے ذریعے آزما رہا ہو اور کیڑے اپنا پیٹ بھرتے ہوں، جیسے اللہ انسانوں کو آزماتا ہے۔ یہ دکھ، پریشانی آزمائش ہی تو ہوتی ہیں۔ اب اگر امرود میں کیڑا نہیں ہوتا تو تم ویسے ہی کچر کچر کھا لیتیں بغیر دیکھے، مگر تم نے دیکھ کر سنبھل کر کھایا نا! اسی طرح انسان کو بھی رک کر سنبھل کر حدود میں رہ کر کام کرنے کا حکم دیا ہے اللہ نے۔“
انھوں نے بھی ہاتھ دھو لیے اور ہلکے پانی کا نل کھول دیا۔ پانی پتلی کیاریوں میں بہنے لگا، پھر انھوں نے فاکہہ کے بکھرے بالوں کو گول مول سا لپیٹ کر جوڑے کی شکل دی اور امرود کی پتلی ٹہنی توڑ کر اس کے جوڑے میں گھسا دی۔
یوں ابا نے فاکہہ کی ایک گتھی سلجھا دی تھی۔
اتنے میں اماں نے آواز دی کہ جوس لے جاؤ۔ فاکہہ پلٹ کر گئی، بیلے کی کلیاں میز پر رکھیں، پتا تھا اماں نے چند کلیاں اپنے سونے کی بالیوں میں ڈال کر کانوں میں پہن لینی ہے، پھر اماں بھی شام تک مہکتی رہیں گی۔
فاکہہ ان کے لیے تازہ کریلوں کا جوس لے آئی، جب سے ابا ذیابیطس کے مریض بنے تھے، کسی سے پتا چلا کہ کریلے کے جوس سے افاقہ ہوگا تو آزمانے لگے، چائے پھیکی کر دی، میٹھا کم کر دیا اور کڑوے کریلے کے رس کو غٹاغٹ پی جاتے تھے۔
”ابا! اف کتنا کڑوا ہوتا ہوگا، کیسے پیتے ہیں آپ؟“ اس نے بھی کڑوا سا منہ بنایا۔
”ہاں، کڑوا تو ہوتا ہے، مگر میٹھی زندگی جینے کے لیے کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، چلو اب اندر چلتے ہیں آج کا کام ختم۔“
محنت ہی محنت، جدوجہد، بچوں کے بہتر مستقبل کی کوشش میں زندگی پہلے ہی پھیکی ہو جاتی ہے، اس پر کھانوں میں مٹھاس بھی کم ہو جائے تو بندہ ترس ترس کر ہی مر جاتا ہوگا۔ ابا کا وقت پورا ہوا تو انھوں نے آنکھیں موند لیں۔

وقت گزرنے لگا، فاکہہ زندگی کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئی۔
لیکن ہر مرتبہ جامن دیکھ کر یوں ہی یاد آ جاتا تھا۔
ابا نے کہا تھا کہ جب میں نہیں رہوں گا، تب یہ درخت پھل دے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ سب نے اس درخت کا پھل کھایا، مگر ابا نہیں کھا سکے۔
جب اولادوں کے پھلنے پھولنے کا وقت آتا ہے تو والدین کیوں نہیں رہتے، ان کی خوشیاں، ترقی کامیابیاں دیکھنے مگر یہ گتھی فاکہہ کو کون سمجھاتا؟
اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے اور لبوں نے التجا کی!
رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

کرو مہربانی اہل زمیں پر

بنت محمود

"ابے او چھوٹے! آج پھر تو کام پہ دیر سے آیا ہے، کام پہ دل نہیں لگ رہا کیا"؟ فضل دین نے غصے میں جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"مالک! ماں کی طبیعت خراب تھی، سارا دن بارش کی وجہ سے چھت ٹپکتی رہی اور گھر سے پانی نکالنے کی وجہ سے بخار ہو گیا۔ دیر سے سوئی تو اٹھی نہیں۔" چھوٹے سے حامد نے سادگی سے جواب دیا۔

"چل چل، اب زیادہ بہانے مت بنا، سب جانتا ہوں تیری چالاکی کو رات کو دیکھ لیا تھا گیراج میں اتنی گاڑیاں خراب ہو کر آئی ہیں تو بس کام چوری کی بھی حد ہوتی ہے۔" فضل دین نے رکھائی سے کہا۔

چاچا اکرم دور سے بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ فضل دین کی موٹر سائیکل ٹھیک کرنے کی دکان تھی، جب بہت بارش ہوتی تو اس کا کام چمک جاتا، ورنہ دن میں دس بارہ ہی گاہک چکر لگا پاتے تھے۔

حامد کے تو ابھی پڑھنے کے دن تھے، لیکن اسے چھوٹی عمر میں کام کرنا پڑ رہا تھا۔ ابھی ابھی فضل دین کا خاص دوست بھی آیا تھا جو بہانے بہانے سے حامد کو کام کے لیے دوڑایا کرتا تھا۔

"ابے او چھوٹے! جا، جا کر جلدی سے دو دودھ پتی لے آ۔ دیکھ میرا یار آیا ہے۔" فضل دین نے عاشر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

عاشر ذرا رنگیلی طبیعت کا مالک تھا۔ موسم ذرا سہانا ہوا تو من چلے دوستوں کے ساتھ موٹر سائیکل کی دوڑ لگایا کرتا تھا، لیکن اس سے پہلے وہ فضل دین کی دکان میں آنا نہیں بھولتا تھا۔

آج بھی تو ایسا ہی ہوا۔

حامد گرم گرم چائے جو لایا تو تھیلی ہی چھوٹ گئی۔ ہاتھ اور ٹانگ گرم چائے سے جلی تو فضل دین نے حامد کی دھنائی ہی کر دی۔

"ابے سالے! ایک کام بھی ڈھنگ سے نہیں کرتا۔ دکان پہ آتے ہی چائے کی تھیلی ہوا میں چھوڑ دی، تیرے باپ کی کمائی ہے جو یوں لٹا رہا ہے۔ تیری آج کی دیہاڑی سے کاٹوں گا اس چائے کے پیسے۔" فضل دین کی زبان کے ساتھ ہاتھ بھی چل رہے تھے۔ یہ دن کی دوسری مار تھی جو حامد کو پڑ رہی تھی۔

حامد نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اپنے مالک کو دیکھا اور پھر آسمان کو کام کرنا اس کی مجبوری تھا، باپ کی اچانک موت نے ایک دم سے اس کو بڑا بنا دیا تھا۔

چاچا اکرم کا دل آج بھر آیا تھا، انھوں نے آج فضل دین کو سمجھانے کا سوچ لیا تھا۔

فضل دین! "جی چاچا۔"

"جب کام سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آنا، ذرا تم سے کام ہے۔" چاچا اکرم نے زور سے آواز دے کر کہا۔

"اچھا چاچا، ضرور! میں حاضر ہو جاؤں گا۔" فضل دین نے کہا۔

"دیکھ فضل دین تو بے اولاد ہے اور جس طرح تو حامد سے کام لیتا ہے، مارتا ہے اور اُجرت بھی کم دیتا ہے، حالاں کہ تجھے پتا ہے کہ وہ یتیم ہے، اپنے گھر کا واحد کفیل ہے، مجھے دیکھ کے دکھ ہوتا ہے، کیا تیرے دل میں اس کے لیے ترس نہیں آتا؟" چاچا اکرم نے سمجھاتے ہوئے کہا تو فضل دین سر ہلا کر رہ گیا۔

چاچا اکرم نے پھر کہا: "کیا تم نے حضرت محمد ﷺ کی زندگی سے کچھ نہیں سیکھا، وہ بچوں سے کس شفقت سے پیش آتے تھے، یتیموں کی کس طرح مدد کرتے تھے۔"

چاچا اکرم ایک روایت سناتے ہوئے کہنے لگے: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرا ایک خادم ہے، جو غلطیاں اور زیادتیاں کرتا ہے، کیا میں اس کی پٹائی کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ خاموش رہے، اس نے دوسری بار اور پھر تیسری بار یہی سوال کیا، بعض روایتوں میں ہے کہ دریافت کیا کہ آخر کتنی بار معاف کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر دن ستر بار۔ (ابو داؤد، جامع ترمذی)

چاچا اکرم نے اپنی بات ختم کر کے فضل دین کا چہرہ دیکھا اور کہا: ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر بیٹھے اور عرض کیا: اللہ کے رسول (ﷺ)! میرے کچھ غلام ہیں، وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، میں بھی ان کو بُرا بھلا کہتا ہوں اور مار پیٹ کرتا ہوں تو ان کے ساتھ میرا یہ رویہ کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ان کی خیانت، نافرمانی اور جھوٹ۔۔۔ اور تمہاری طرف سے ان کی سزا کا حساب کیا جائے گا، اگر دونوں برابر ہوں تو نہ تم کو ثواب ہوگا نہ عذاب، اگر تمہاری طرف سے سرزنش غلطی کے مقابلے میں کم ہوگی تو تم کو ثواب ہوگا اور اگر سزا غلطی سے بڑھ گئی تو تم سے بدلہ لیا جائے گا، وہ صاحب وہاں سے ہٹ کر رونے لگے، بالآخر کہنے لگے: اب ان کو الگ کر دینا ہی بہتر سمجھتا ہوں، میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ سب کے سب آزاد ہیں۔ (ترمذی)

"فضل دین دیکھو میرے پیارے نبی ﷺ کے احکام سنو، سمجھو اور عمل کرو۔"

صحابیِ رسول حضرت ابوالیسرؓ، آپ ﷺ سے اپنی ملاقات کا احوال بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے دیکھا کہ جو چادر اور لباس آپ ﷺ نے پہنا ہوا ہے، وہی آپ ﷺ کے غلام نے بھی پہنا ہوا ہے۔ میں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں استفسار کیا تو آپ ﷺ نے بڑی محبت اور شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی کہ "اے اللہ! اسے برکت عنایت فرما۔ پھر ارشاد فرمایا: "تم ان غلاموں کو وہیں سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہیں سے پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، اگر میں اس غلام کو متاعِ دنیا میں سے کوئی چیز دے دوں، یہ میرے لیے اس امر سے زیادہ آسان ہے کہ وہ قیامت کے دن میری نیکیاں لے لے۔" (صحیح مسلم)

"چاچا اکرم نے کہا: تم کو معلوم ہے وہ اپنے گھر کا واحد کفیل ہے، اس کی اجرت اس کے کام سے زیادہ دو نہ کہ کاٹ کے دو۔"

نبی کریم ﷺ نے اجرت ادا کرنے کے لیے فرمایا: مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔ (سنن ابن ماجہ)

"وہ یتیم ہے اس کا خیال کرو۔ بیٹا تم کسی یتیم کا خیال کرو گے، اللہ تمہارا خیال کرے گا۔" چاچا اکرم نے کہا۔

فضل دین نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے چاچا سے وعدہ کیا کہ وہ حامد کا خیال اپنے بیٹے کی طرح کریں گے اور اس کے گھر کی کفالت خود کریں گے، اپنے معاملات میں رحم، درگزر، معاف کرنے کی صفت لائیں گے۔ اللہ نے ان کی اس نیکی کو قبول کیا اور اولاد کی نعمت سے نوازا۔

REEHAISH
جائیداد کی خریداری شریعت کی پاسداری

1 & 2 BED APARTMENTS

Affordability Redefined
REEHAISH RESIDENCIA
A project by
REEHAISH BUILDERS PRIVATE LIMITED

BOOKING
STARTS FROM
27 LAC
BOOK NOW

For Booking & Details
0321-9268333
0321-2628455

HEAD OFFICE: Office M-06 & 07, Mezzanine Floor, AQ Business Center, Plot# B-41 Jinnah Avenue, Bahria Town Karachi.
LAHORE OFFICE: 2nd Floor, Plot 22-B, Sector C Commercial, Bahria Town Lahore. +92-42-37861173

UAN: +92-304-111-7275 reehaish talk@reehaish.com

تنزیلا احمد

کھیل کھیل میں

”آہ۔۔۔وہ بھی کیا سہانے دن تھے جب سب میرے پیچھے بھاگتے تھے۔۔۔“ اپنے پچکے بدرنگ گال پھلانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اس نے اداسی سے کہا۔

”ہاں۔۔۔تم سب کو میری قدروقیمت کا بھی اندازہ ہوگا۔ کیسے سب بے تاب رہتے تھے کہ کب ان کی باری آئے اور وہ مجھے تھام سکیں۔“

”سچ کہتے ہو۔۔۔ ہماری بدولت کتنی رونق لگی رہتی تھی۔ دھوپ مدھم پڑتے ہی سب لان میں اکٹھے ہوتے اور ہماری مانگ بڑھ جاتی۔۔۔“ اپنے ٹوٹے تاروں کو ہلکا سا چھو کر دونوں سر جھکائے بولیں۔

”آہ! کیا سے کیا ہو گئے ہم، شاید گزرتے وقت کے ساتھ میری اہمیت بھی گھٹ گئی اور چاہنے والے بھی۔۔۔“ رندھی ہوئی آواز میں کہہ کر اپنی ٹوٹی ٹانگ کو بمشکل گھسیٹتے ہوئے اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور کھڑکی سے باہر جھانکا۔ رات کا اندھیرا پھیل رہا تھا جب کہ وہ تو کب کے اندھیروں میں ڈوب رہے تھے۔

”ہرے ے ے ے۔۔۔ گرمی کی چھٹیوں میں ہم دادا جان کے فارم ہاؤس جائیں گے۔“ لان میں آتے ہی زینب نے باآواز بلند اپنے بھائی عبداللہ اور چھوٹی بہن ماہ نور کو آگاہ کیا۔ وہ دونوں اپنی پالتو بلی کیٹی پاری کے ساتھ کھیلنے میں مشغول تھے۔

”کیا واقعی؟“ مانو نے حیرانی سے آنکھیں گھمائیں۔

”تمھیں کس نے بتایا؟“ عبداللہ نے بڑے ہونے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہم سوال پوچھا۔

”میں نے خود سنا ہے۔ ماما بابا بات کر رہے تھے کہ دادا جان نے پھوپھو جان کو وہاں آنے کا کہا ہے۔ کتنا مزا آئے گا عائشہ اور عمر بھی آئیں گے وہاں۔۔۔“ زینب نے جھٹ سے بتایا۔

”ہمم۔۔۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے اگر ایسا ہے تو“ کہہ کر عبداللہ اندر کی جانب بھاگا۔

”دیکھ لینا ایسا ہی ہے۔“ زینب بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔ اس کے پیچھے ماہ نور تھی۔

اگلے چند روز بچوں نے خوشی خوشی تیاری کرتے ہوئے گزارے تھے۔ بارہ سالہ عبداللہ اپنے سے ایک برس بڑے عمر سے وٹس ایپ پر سب معاملات طے کر چکا تھا کہ وہاں جا کر خوب مزے کریں گے، تیراکی اور گھڑ سواری کریں گے، جب کہ تینوں بچیوں نے اپنے کھلونوں میں کچن اور ڈاکٹر سیٹ ساتھ رکھ لیے کہ گھنے درختوں کے نیچے ہری بھری گھاس پر کھیلا کریں گی۔

دادا جان بچوں کا جوش و خروش دیکھ بہت خوش تھے۔ وہ یہ ہی چاہتے تھے کہ بچے اپنے موبائل اور ٹیب وغیرہ سے نکل کر کچھ نیا کریں جو انھیں فطرت کے قریب لائے اور وہ چاق و چوبند بھی رہیں۔ بالآخر وہ شام آ گئی جب سب خیریت سے شہر سے کئی میل دور مضافات میں واقع فارم ہاوس پہنچ گئے۔ سرخ اینٹوں سے بنی پُرشکوہ عمارت دیکھ کر بچوں کی آنکھیں پھیل گئیں۔ عمارت کے اطراف میں گھنے اور سایہ دار درختوں کی طویل قطار تھی، جب کہ عمارت کے پچھلے حصے میں بڑا سا سوئمنگ پول جسے برکت چاچا نے ان کے آنے سے قبل صاف کر کے قابلِ استعمال بنایا تھا۔ وہیں ایک جانب بیڈ منٹن کا نیٹ لگا تھا اور دوسری جانب سب گھر والوں کے بیٹھنے کے لیے آرام دہ کرسیاں اور میز لگائی گئی تھیں۔ کیا ہی شان دار نظارہ اور صاف ستھرا معطر ماحول تھا۔

دروازے کی آہٹ کی آواز پر وہ سب چوکنا ہوئے، تالا کھلنے کی آواز آئی اور چرررر کی بھاری آواز کے ساتھ دروازہ کھلتا گیا۔ سب بچوں کی آنکھیں کمرے میں موجود سامان دیکھ پھٹی رہ گئیں، جب کہ وہ سب دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے حیران بچوں کو حیرت سے تک رہے تھے۔

”یہ دیکھیے ہم کیا لائے ہیں۔۔۔“

دادا جان، ماما بابا اور پھوپھو لان میں بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے، جب سبھی بچوں نے ہاتھوں میں تھامی چیزیں ان کے سامنے لہرا کر انھیں متوجہ کیا۔ ایک پل کے لیے تو سب گنگ رہ گئے۔

”یہ آپ لوگوں کو کہاں سے ملیں۔۔۔“ بابا کی حیرانی میں ڈوبی آواز گونجی۔

”اسٹور سے۔۔۔ برکت چاچا نے بتایا کہ وہاں کھیل کا پرانا ساز و سامان پڑا ہے تو تالا کھلوا کر ہم دیکھنے چل دیے۔“ عمر نے جواب دیا تو دادا جان نے پُراشتیاق نظروں نے دس سالہ زینب کے ہاتھ میں موجود اپنی ٹوٹی ہاکی کو دیکھا۔

”میں اس سے کھیلتا تھا۔۔۔“

”یاد ہے بھیا! ہم دونوں ان سے کتنی باریاں کھیلا کرتے تھے۔۔۔“ پھوپھو نے زینب کے ہاتھ میں ٹوٹے تاروں والے ریکٹ دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور اس سے تو میں اپنے دوستوں کے ساتھ کتنے برس تک کھیتا رہا۔ اسکول سے آتے ہی اسے لیے نکل پڑتا تھا۔۔۔“ عبداللہ کے ہاتھ میں پکڑے بیٹ کو دیکھتے ہوئے بابا بولے تو آٹھ سالہ ماہ نور نے ہاتھ میں پکڑی پچکی ہوئی بدرنگ فٹ بال لہرائی۔

”اس سے کون کھیلتا تھا؟“

”دادا جان اور بابا ہنس پڑے۔۔۔“ اس سے میں اور بابا جان کھیلتے تھے اور میں میدان میں باہر دوستوں کے ساتھ بھی۔۔۔“

”واؤ۔۔۔ مجھے اس ریکٹ سے کھیلنا ہے جس سے ماما کھیلتی رہیں۔۔۔“ عائشہ نے خوشی سے کہا۔

”اور مجھے باباوالے سے۔۔۔“ زینب آگے ہوئی۔

”میں ہاکی کھیلوں گا۔ ہمارا قومی کھیل ہے نا۔۔۔“ عبداللہ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

”اور میں اس بیٹ سے کرکٹ۔ آخر کو یہ پاکستان میں سب سے زیادہ کھیلا جانے والا کھیل ہے۔“ عمر بھلا کیوں پیچھے رہتا۔

”اور پھر ہم سب مل کر فٹ بال۔۔۔“ سب بچوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

”بھئی بچوں کے ہاتھ تو خزانہ لگ گیا ہے۔ پر پہلے کھیل کے سامان کی مرمت تو کر لو۔۔۔“ ماما کی بات کی تائید سب نے کی۔ یہ سن کر سب چیزوں کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا تھا۔

بقیہ صفحہ 34 پر

یہ بھی اسوہ ہے

ام مصطفی

"دیکھو میری مچھلیاں۔۔۔!" پندرہ سالہ عدنان نے اپنے دوستوں کو اپنے بازو موڑتے ہوئے ان کے ابھار کو نمایاں کرتے ہوئے پکارا۔

"واہ بھئی! تم نے تو ایک ماہ میں ہی نمایاں کارکردگی دکھادی۔" علی نے ستائشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"عدنان! تمہارے بھی شوق نرالے ہیں، کبھی جم جا کر پہلوانی کے مظاہرے کرتے ہو اور کبھی کلب جا کر تیر اندازی کی مشقیں کرتے ہو، بھئی آج کل کے دور میں تو ہر چیز آسان ہوتی جارہی ہے اور تم خود کو مشقتوں میں ڈالتے رہتے ہو۔" افنان بے زاری سے بولا۔

عدنان نے اپنے دوست کی بے زاری کو محسوس کیا۔ "وقت آنے پر سب بتاؤں گا میرے دوست۔"

"کیا وقت آنے پر، ایسی بھی کیا راز کی بات ہے ان کاموں میں، جو ابھی نہیں بتا رہے۔" افنان ناراضی سے بولا۔

"دوست! یہ تمام کام میرے نبی ﷺ کی سنت ہیں۔" عدنان فرطِ جذبات سے بولا۔

"یہ کسرت اور کھیل کو تم سنت کہہ رہے ہو۔" افنان نے ہاتھ لہراتے ہوئے بات کو اڑایا۔

اچھا، تمہیں یقین نہیں آرہا، پھر شام میں چائے پر ملتے ہیں، تم سب کو آج شام کی چائے کی دعوت میری طرف ہے، وہاں تمہاری تسلی سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے دینے کی کوشش کروں گا۔" عدنان تحمل سے بولا۔۔۔ ٹھیک ہے شام کو ملتے ہیں، سب نے وعدہ کیا۔

سنتوں پر عمل پیرا ہونا عدنان کی گھٹی میں شامل کر دیا گیا تھا، اس کے والدین اور گھر کے سب افراد سنتوں پر عمل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب سے عدنان نے یہ حدیث سنی تھی کہ

"عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ اور جابر بن عمیر انصاری رضی اللہ عنہما کو دیکھا جو تیر اندازی کر رہے تھے، ایک اکتا کر بیٹھ گیا، دوسرے نے اس سے کہا: تم سست ہوگئے ہو؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرما رہے تھے: ہر چیز جو اللہ کے ذکر سے نہیں وہ (لغو) لہو اور سہو (فضول، کھیل تماشہ اور خطا، غلطی) ہے۔ سوائے چار کاموں کے: آدمی کا دو اہداف کے درمیان چلنا (یعنی تیر اندازی کرنا)، اپنے گھوڑے کو سدھانا اور تیراکی سیکھنا۔" (ابی داؤد)

اسی وجہ سے عدنان نے چند ماہ پہلے جِم میں کسرت اور تیراکی کی کلاس شروع کی تھی اور ایک کلب سے تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا۔

اس کے دوست جو اسکول کے بعد زیادہ تر آرام اور موبائل کو وقت دیتے تھے جب کہ عدنان نے ایک باضابطہ نظام الاوقات کے تحت تمام کاموں کا وقت طے کیا ہوا تھا، جسے وہ خوش اسلوبی سے سر انجام دے رہا تھا۔

شام پانچ بجے تمام دوست عدنان کے گھر کی بیٹھک میں جمع تھے۔ عدنان کی والدہ نے پہلے پھل بھجوائے، موسم کے رسیلے پھلوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے عدنان نے اپنی بات شروع کی کہ "پیارے دوستو! آپ سب میری ان کسرتوں اور مشقوں کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ میں اکیسویں صدی میں پہنچ کر بھی پرانے زمانے کے کھیل کود اپنا کر اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں تو دوستو! میں اپنی بات کی وضاحت دینے سے پہلے اپنے پیارے آقا کریم ﷺ کا ایک معجزانہ واقعہ آپ سب کو سناتا ہوں۔

قبیلہ بنو ہاشم میں "رکانہ" نامی ایک مشرک شخص تھا۔ یہ بڑا ہی زبردست، دلیر اور نامی گرامی پہلوان تھا، اس کا ریکارڈ تھا کہ اسے کبھی کسی نے نہیں گرایا تھا۔ یہ پہلوان اضم نام کے ایک جنگل میں رہتا تھا، جہاں یہ بکریاں چراتا تھا اور بڑا ہی مال دار تھا۔ ایک دن حضور ﷺ اکیلے اس کی طرف جانکلے۔ رکانہ نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ کے پاس آکر کہنے لگا۔ اے محمد (ﷺ)! تو وہی ہے جو ہمارے (خداؤں) لات و عزیٰ کی توہین اور تحقیر کرتا ہے اور اپنے ایک خدا کی بڑائی بیان کرتا ہے؟ اگر میرا تجھ سے تعلق رحمی نہ ہوتا تو آج میں تجھے مار ڈالتا اور کہنے لگا کہ میرے ساتھ کشتی کر، تو اپنے خدا کو پکار، میں اپنے خداؤں (لات و عزیٰ) کو پکارتا ہوں۔ دیکھیں تمہارے خدا میں کتنی طاقت ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "رکانہ! اگر کشتی ہی کرنا ہے تو چل میں تیار ہوں۔" رکانہ یہ جواب سن کر پہلے تو بڑا حیران ہوا اور پھر بڑے تکبر کے ساتھ مقابلے میں کھڑا ہو گیا۔ حضور ﷺ نے پہلی ہی جھپٹ میں اسے گرالیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے، رکانہ زندگی میں پہلی مرتبہ گر کر بڑا شرمندہ ہوا اور حیران بھی اور بولا اے محمد (ﷺ)! میرے سینے سے اٹھ کھڑے ہو۔ میرے خداؤں (لات و عزیٰ) نے میری طرف دھیان نہیں دیا، ایک بار اور موقع دو اور آؤ دوسری مرتبہ کشتی لڑیں۔ حضور ﷺ رکانہ کے سینے سے اٹھ گئے اور دوبارہ کشتی کے لیے رکانہ پہلوان بھی اٹھا۔

حضور ﷺ نے دوسری مرتبہ بھی رکانہ کو پل بھر میں گرا لیا۔ رکانہ نے کہا:

اے محمد (ﷺ)! معلوم ہوتا ہے آج میرے خدا مجھ سے ناراض ہیں اور تمہارا خدا تمہاری مدد کر رہا ہے، خیر! ایک مرتبہ اور آؤ، اس مرتبہ میرے خدا لات و عزیٰ میری مدد ضرور کریں گے۔ حضور ﷺ نے تیسری مرتبہ بھی کشتی کے لیے منظور کر لیا اور تیسری مرتبہ بھی اسے پچھاڑ دیا۔

اب تو رکانہ پہلوان بڑا ہی شرمندہ ہوا اور کہنے لگا: اے محمد (ﷺ)! میری ان بکریوں میں سے جتنی چاہو بکریاں لے لو، حضور ﷺ نے فرمایا: "رکانہ! مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں، ہاں! اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے۔"

رکانہ نے جواب دیا: "اے محمد (ﷺ)! میں مسلمان تو ہو جاؤں، مگر میرا نفس جھجکتا ہے کہ مدینہ اور گرد و نواح کے لوگ کیا کہیں گے کہ اتنے بڑے پہلوان نے شکست کھائی اور مسلمان ہو گیا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "تو تیرا مال تجھ ہی کو مبارک ہو۔" یہ کہہ کر آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے عرض کیا: "کیا آپ نے رکانہ کو پچھاڑا؟ وہ تو ایسا پہلوان تھا کہ آج تک اسے کسی نے نہیں پچھاڑا۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "ہاں، میں نے اللہ سے دعا کی اور اس نے میری مدد کی۔" روایات میں آتا ہے پھر اس پہلوان رکانہ نے اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ ایک جلیل القدر صحابی بنے۔ (سنن ابی داؤد)

اس کے علاوہ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا خوب صورت، طاقتور اور

چست جسم مبارک بھی اسوۂ حسنہ میں شامل ہے، وہ جسم جس کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ترغیب ملتی اور وہ بھی اس طرح بننے کی کوشش کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ سے پیدل طائف کا سفر طے کرنا۔

پہاڑی علاقہ، پتھر، کانٹے، یہ کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے کشتی فرمائی تو یہ بھی سنت ہو گئی، کشتی کرنے کے لیے انسان کو کتنی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اور کشتی بھی مکہ کے سب سے بڑے پہلوان "رکانہ" سے اور پھر اسے ایک بار نہیں تین بار پچھاڑ دینا۔۔۔ حضور اقدس ﷺ تیر اندازی فرماتے تھے اور بہترین نشانہ لگاتے تھے، یہ بھی سنت ہو گئی۔ اس اسوۂ حسنہ کو بھی اپنانا ہے تیر اندازی کے لیے کتنی جسمانی طاقت کی ضرورت ہے یہ کسی تیر انداز سے پوچھیے۔ ہاتھوں کی انگلیاں مضبوط ہونا شرط، کلائیاں مضبوط ہونا شرط، بازوؤں کی مچھلیاں مضبوط ہونا شرط، کندھے مضبوط ہونا شرط، سینے کا طاقت ور ہونا شرط، کمر کا سیدھا ہونا شرط اور ٹانگوں میں قوت اور طاقت ہونا ضروری۔۔۔ یہ سب چیزیں موجود ہوں تو انسان اچھی طرح تیر اندازی کر سکتا ہے، ورنہ نہیں کر سکتا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تیر اندازی میں بہت محنت فرمائی کیوں کہ اللہ کا حکم اور آقا کریم ﷺ کی سنت ہے۔ صحابہ کرامؓ گھنٹوں تیر اندازی کی مشق فرماتے، جنگوں میں مسلسل کئی کئی گھنٹوں تک تیر پھینکتے تھے، مگر ان کے بازوؤں میں کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں آتی تھی۔ تیر اندازی نگاہ کو بھی تیز کرتی ہے اور رہی تیراکی کرنا۔۔۔ تو یہ دنیا کی بہترین ورزش ہے۔ اسی سلسلے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کو لکھا: "اپنی اولاد کو تیراکی اور گھڑ سواری سکھاؤ۔" (درِ منثور)

اس میں جسم کا ہر عضو چاق چوبند ہو کر مضبوط بنتا ہے۔ مکہ مدینہ میں سمندر اور نہر نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تیراکی کی ترغیب دی تو کوئی وجہ تھی۔

دوستو! تو میں نے ثابت کیا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور سنت کو اپنانے کی نیت سے کر رہا ہوں اور جب کبھی میرے دین اور وطن کو میری جان کی ضرورت پڑی تو یہ میرے لیے خوشی کا باعث ہو گی، لیکن معذرت کے ساتھ دوستو! آپ سب ہر وقت اسکرین کے سامنے بیٹھ کر اپنے جسم کو لاغر اور ناتواں بنا رہے ہو۔ کمر، گردن اور نظر کے بے شمار مسائل کا شکار ہو چکے ہو، کیا کبھی دین وملک کو جان کی ضرورت پڑی تو آپ کا جسم تیار ہو گا؟؟؟؟ عدنان کے سوال نے سب کے سر کو جھکا دیا۔

کل سے میں بھی تمہارے ساتھ جم جاؤں گا۔ یہ افنان تھا اور پھر ایک ایک کر کے سب نے عزم کیا، جب کہ عدنان نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہوئے اپنی عقیدت کا اظہار کر رہا تھا۔

بقیہ

کھیل کھیل میں

اگلے روز دادا جان مرمت شدہ ہاکی لہراتے ہوئے لان میں موجود تھے۔ سب بچے ہاکی کو اتنی اچھی اور صاف حالت میں دیکھ پہلے تو حیران ہوئے اور پھر دادا جان سے فرمائش کرنے لگے کہ کھیل کر دکھائیں کہ وہ کیسے کھیلا کرتے تھے۔

دادا جان کو ہاکی پکڑ کر تیز قدموں سے چلتے دیکھ کر بچے اور بڑے سبھی خوش ہوتے رہے۔ تبھی سانس ہموار کرنے کے لیے بیٹھتے ہوئے دادا جان نے اہم سوال پوچھا۔

"بچو! یہ بتاؤ ہاکی پاکستان کا قومی کھیل کب قرار دیا گیا؟" کسی بچے کو جواب معلوم نہ تھا۔

"1960 میں روم اولمپکس میں پاکستان نے ہاکی میں گولڈ میڈل جیتا تو صدر جنرل ایوب خان نے کراچی میں کھلاڑیوں کے اعزاز میں رکھی گئی تقریب میں ہاکی کو پاکستان کا قومی کھیل قرار دیا تھا۔"

"واؤ۔۔۔ اور کرکٹ کا آغاز کب ہوا؟" عمر نے اپنے پسندیدہ کھیل کے بارے پوچھا۔ کل والا بوسیدہ دکھنے والا بیٹ وہ رگڑ رگڑ کر چمکا چکا تھا۔

"کہا جاتا ہے کہ پندرہویں صدی کے آخر میں برطانیہ میں ہوا"

"ہرے۔۔۔ یہ تو ہمیں معلوم ہے۔۔۔" سب بچے خوشی سے چہکے۔

"اچھا تو اب یہ بھی سن لیں کہ فٹ بال کے عالمی کپ کا آغاز 1930 میں ہوا اور اب تو پاکستان میں بھی یہ کھیل خوب ترقی کر چکا ہے۔" مانو نے یہ سن کر پھول کر درست حالت میں آچکی تو ہلکا سا ٹھڈا مارا اور خوشی سے کھلکھلانے لگی۔

"ماما اور پھوپھو آپ بھی ہمارے ساتھ بیڈ مینٹن کھیلیں نا؟" زینب نے لاڈ سے کہا تو سبھی مسکرا دیے۔ وہ اور بابا دونوں ریکٹ کے ٹوٹے تار جوڑ چکے تھے اور اب ریکٹ قابل استعمال حالت میں تھے۔

"پتا ہے انھیں چڑی چھکا کہتے ہیں۔۔۔" عائشہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے مانو کے کان میں سرگوشی کی۔

"ضرور کھیلیں گے، جس طرح بابا جان نے دوسرے کھیلوں کے بارے آپ کو آگاہ کیا ہے تو کیوں نہ بیڈ منٹن بارے بھی آپ کو کچھ بتایا جائے؟" پھوپھو نے کہا تو "یس یس" کی شوخ آوازیں گونجیں۔

"برطانوی فوجی افسران نے ۱۸۷۰ میں ہندوستان میں اس کھیل کو متعارف کروایا تھا جو پھر پوری دنیا میں پھیلتا گیا۔۔۔"

"واؤ انٹرسٹنگ۔۔۔ اب آئے گا کھیلنے کا صحیح مزہ۔ میں اسکول میں اپنی دوستوں کو بھی یہ معلومات دوں گی۔۔۔" زینب نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور عائشہ کے ساتھ نیٹ کی جانب بھاگی۔

عبداللہ اور عمر کرکٹ کھیلنے پکی روش کی جانب بڑھ گئے، جب کہ ماہ نور خاموشی سے دور پڑے فٹ بال کو اداسی سے دیکھتی رہی۔ تبھی اسے بابا کی آواز سنائی دی۔

"بھئی میں تو اپنی مانو کے ساتھ فٹ بال کھیلوں گا۔۔۔" وہ کھلکھلاتے ہوئے بال اٹھانے بھاگی۔

ماما اور پھوپھو نیٹ کے پاس کھڑی دونوں بچیوں کی حوصلہ افزائی میں مشغول تھیں۔ دادا جان نے آرام دہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے سبھی بچوں اور بڑوں پر مطمئن نگاہ ڈالی اور شکر گزاری کی نظر سے پھر آسمان کی جانب اٹھائی۔ کتنے عرصے بعد ان کی بوڑھی آنکھوں نے فارم ہاؤس کو آباد اور اپنے سبھی بچوں کو ایک ساتھ خوش وخرم دیکھا تھا۔ کھیل کھیل میں بچے نہ صرف بہت کچھ سیکھ رہے تھے بل کہ خود کو فالتو اور بے کار سمجھنے والا کھیل کا ساز وسامان بھی اپنی صحیح حالت اور جگہ پر واپس آچکا تھا۔

"لگتا ہے سہانے دن لوٹ آئے ہیں۔۔۔" ہاکی نے سرگوشی کے انداز میں اپنے پاس آکر گرے فٹ بال سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔ اگلے ہی پل مانو نے فٹ بال اٹھا کر بابا کی طرف اچھالتے ہوئے گول کا شور مچایا تو ہر طرف مسکراہٹیں بکھر گئیں۔

فیرولینڈ

پہلی قسط

احمد رضا انصاری

”یہ اور فیرولینڈ جائے گا؟ ہاہاہاہا شکل دیکھی ہے اس نے اپنی کبھی آئینے میں۔“

شرمیز منہ پھاڑ کر ہنسنے لگا۔۔۔ اپنی بات پر وہ خود ہی اگلے کئی منٹ خط اٹھاتا رہا تھا۔۔۔ اس کے ساتھیوں نے اس گھٹیا مزاح میں شرمیز کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ وہ بس سپاٹ نظروں سے اسے ہنستا اور لوٹ پوٹ ہوتا دیکھتے رہے تھے۔

جب کہ زاہد آنکھوں میں نمی لیے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ چکا تھا۔ اب تو یہ روز کا معمول بن چکا تھا۔ شرمیز، زاہد کی ہر بات کو جان بوجھ کر پکڑتا اور اس کی غربت کا خوب مذاق اڑایا کرتا تھا۔

وہ سالانہ چھٹیوں میں اپنے ماموں کے گھر فیرولینڈ جا رہا تھا۔ زمین کے بعد وہی سب سے زیادہ آبادی والا سرسبز سیارہ تھا۔ زمین، مریخ، چاند اور زینگ مون کے امیر کبیر لوگ فیرولینڈ پہ سیر و سیاحت کے لیے جایا کرتے تھے۔ ہر انسان کا وہ آئیڈیل سیارہ تھا۔ فیرولینڈ کی گورنمنٹ اپنے سخت قانون کی وجہ سے پورے ملکی وے کہکشاں میں مشہور تھی۔ باہر سے آنے والوں کے لیے اس سیارے کے قوانین بہت قوی تھے۔ ابتدائی چند روز وہاں گزارنا اجنبیوں کے لیے بہت دشوار ہوتا تھا۔۔۔

صفائی ستھرائی پر بھرپور توجہ، بلاوجہ کی چیخ پکار ممنوع، کسی کو غلط نام سے بلانا سخت جرم، کسی پودے یا درخت کے پتوں کو توڑنے پر کھڑے کھڑے سزا، دیواروں پہ لکھنا اور زمین پر تھوکنا غیر قانونی، گاڑیوں اور دیگر ٹرانسپورٹ سے چھیڑ چھاڑ منع، چوری چکاری، اغوا، ڈکیتیوں پر سخت جسمانی و ذہنی سزا اور قتل پر سزائے موت کا قانون نافذ تھا۔

قانون صرف کاغذات تک محدود نہ رکھا گیا تھا، بلکہ قانون پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا، اسی لیے برے لوگ بھی وہاں آکر پاک صاف نظر آنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ فیرولینڈ سب کے لیے ایک یوٹوپیا کی حیثیت رکھتا تھا، بالکل جنت جیسی سرزمین۔۔۔ جہاں سکون و اطمینان کی فضا تھی، اگر اونچی عمارتیں، جدید ترین ٹرانسپورٹ تھیں تو دوسری جانب وہاں خوش رنگ پرندے گنگناتے تھے، دل فریب خوشبوؤں سے مہکتے جنگلات کی وہاں بہتات تھی، سرسبز پہاڑیاں تھیں، اونچے پہاڑ جو سفید برف کی چادر اوڑھے درویش معلوم ہوتے تھے، ہر رنگ و نسل کے جانور آزاد پھرتے تھے۔ وہاں کسی انسان کو انسان سے خطرہ تھا نہ جانور کو دوسرے جانور سے خوف آتا تھا۔ وہ ایک مثالی دنیا تھی، تبھی زاہد نے بھی فیرولینڈ جانے کا خواب دیکھا تھا۔ جاگتی آنکھوں کے خواب اگر پورے ہونے پر آئیں تو پل بھر میں تعبیر بن کر سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں اور نہ پورے ہوں تو زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے، لیکن خواب ادھورے ہی رہتے ہیں۔۔۔

زاہد کا فیرولینڈ جانے کا خواب اس وقت شدّت اختیار کر گیا جب ان کے گاؤں میں بھی ایک خلائی اڈہ بنا۔ پہلے پہل تو گاؤں والوں نے خلائی اڈہ بنائے جانے کی بھرپور مخالفت کی تھی، شور اور فضائی آلودگی کا خوف گاؤں والوں کے دماغوں پر بری طرح سوار تھا، لیکن گورنمنٹ نے تشفّی بخش جوابات دے کر ان کے منہ بند کر دیے تھے۔ اڈا گاؤں سے پانچ کلومیٹر دور ایک جنگل کے درمیان بنایا گیا تھا، تاکہ دھواں وغیرہ نہ پھیلے اور درخت آلودگی کو اپنے اندر سمولیں۔ خلائی اڈے سے شہر تک ایک گول پائپ فضا میں معلق لگایا گیا تھا، جس میں خصوصی ٹرین چلتی تھی جو مسافروں کو شہر سے خلائی اڈے تک پہنچاتی اور ریسیو کرتی تھی۔۔۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا گاؤں والوں کا ڈر بھی کسی کونے کھدرے میں کان لپیٹے لیٹ گیا تھا۔ دن میں ایک بار وہاں سے جہاز روانہ ہوتا تھا اور اگلے دن ایک جہاز لینڈ کرتا تھا۔ شور تو بہت کم ہی محسوس ہوتا تھا اور چوں کہ جہازوں کے انجن برقی تھے، اسی لیے دھواں وغیرہ پیدا ہوتا ہی نہیں تھا۔۔۔

خلائی اڈے کی گول پھول نما عمارت گاؤں کے ہر گھر سے واضح دکھائی دیتی تھی، جب دن بارہ بجے جہاز وہاں سے اڑتا تو اس کو دیکھ کر بچے خوب زور و شور سے ہاتھ ہلاتے تھے۔ اس وقت بچوں کے چہرے ایک انوکھی سی خوشی سے معمور ہوتے تھے۔

زاہد جب بھی جہاز کو آتے جاتے دیکھتا تو خیالات کے دریا میں بہتا جہاز کے اندر پہنچ جاتا۔ اپنی نشست سے وہ نیچے جھانکتا اور گاؤں پہ نظر ڈالتے ہوئے مسکرا دیتا۔ وہ فیرولینڈ کا مسافر بن جاتا اور جہاز میں سوار اپنے خوابوں کے نگر میں پہنچ جاتا، لیکن ابھی تک یہ ایک خواب ہی تھا، محض خواب۔۔۔

”ابا۔۔۔!“

”ہوں بولو۔“ ابا ورکشاپ کے میلے سے فرش پر اپنی موٹر سائیکل کا انجن کھولے بیٹھے تھے۔۔۔

”ابا۔۔ میں اب پیدل اسکول نہیں جاؤں گا، سب لڑکے طنز کرتے ہیں مجھ پر، وہ سب موٹر سائیکلوں اور اپنی اپنی گاڑیوں پر آتے ہیں جبکہ مجھے پیدل آنا جانا پڑتا ہے۔“

”فیر کی ہویا ہے پتّر۔۔۔ پیدل چلنا تو بہوت چنگی گل اے۔ صحت اچھی رہندی ہے، تے بندہ چاک وچوبند!! مشینی دور آگیا ہے، تے اس دا یہ مطبل تھوڑی کہ انسان چلنا پھرنا بُھل جاوئے۔۔۔؟“ ابا الیکٹرک پلاس سے نٹ کھولتا ہوا بولا۔

”افففف۔۔۔ ابا کا وہی بودا فلسفہ“ زاہد کا منہ بن گیا۔

”ابا! آج کل میرے ہم عمر لڑکے اڑن کاریں لیے پھر رہے ہیں اور آپ اپنے بیٹے کو ایک موٹر سائیکل تک بنا کر نہیں دے سکتے۔“

”اچھا میرا شہزادہ پتر۔۔۔ کدو جیا منہ تے نہ بنا۔۔ میں سوچتا ہوں تیرے بارے کچھ۔۔۔“ ابا نے اسے منہ لٹکائے دیکھا تو پیار سے بولے۔

زاہد کئی مہینوں سے ان کے پیچھے پڑا ہوا تھا، وہ ایک کسان تھے۔ دن بھر کھیتوں پر کام کرتے تھے۔ گھر آکر جو تھوڑا بہت وقت ملتا اس میں آرام کرتے یا گاؤں والوں کے چھوٹے موٹے کام کر دیتے۔ انھوں نے شہر میں موٹر میکینک کا کورس کیا ہوا تھا۔ موٹر سائیکلوں، گاڑیوں اور کسی بھی شے میں کوئی مسئلہ ہو جاتا تو وہ ٹھیک کر دیتے تھے۔ گھر میں ایک چھوٹی سی ورکشاپ تھی، جہاں تقریباً سب اوزار اور دوسری اہم مشینری موجود تھی۔

زاہد چودہ سال کا ہونے والا تھا۔ اس عمر میں بچہ حساس ہوتا جاتا ہے۔ دوسروں کی چھوٹی سی بات بھی سوئی کی طرح چبھتی ہے۔ (جاری ہے)

ایثار

بنت مسعود احمد

یہ رات کے دس بجے کا وقت ہے۔ دکان دار نے تمام درازوں کو لاک کر کے احتیاط سے چابیاں جیب میں ڈالیں اور بتیاں بجھا کر دکان کا دروازہ بند کیا، پھر شٹر گرا کر دکان کو تالا لگایا اور گھر کی راہ لی۔

پچھلی دیوار پر بنے دو روشن دانوں پر لگی جالیوں سے چاند کی مدھم سے روشنی چھن چھن کر دکان میں آ رہی تھی۔ گپ اندھیرے میں کچھ دیر بعد ٹک ٹک کی آنکھیں جب دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اسے سب ہی نیند میں اونگھتے جھومتے نظر آئے۔

ٹک ٹک ہلکے سے اچھلی اور سوئے ہوئے بلے کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"ہمم اوہو بھئی! کیا مشکل آ گئی؟ اتنا اچھا خواب دیکھ رہا تھا، کیوں میری نیند خراب کی بولو؟" بلے جی ذرا بے زاری اور غصے سے بولے۔

پاس کھڑا ریکٹ زور سے ہنس پڑا، پھر اس کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کیوں بھائی بلے! خواب میں ایسا کیا دیکھ لیا جو اتنے افسردہ ہو؟"

"بس بھائی ریکو! مت پوچھو، ہم خواب میں شاہد آفریدی کے ہاتھ میں تھے اور وہ دھڑا دھڑ چوکے چھکے لگا رہے تھے۔"

"لو بھیا! بلی کے خواب میں چھیچھڑے۔"

اس کے برابر میں اونگھتی فٹ بال صاحبہ مزاق اڑانے والے انداز میں بولیں۔

ٹک ٹک گیند خاموشی سے سب سن چکی تو بولی۔

"بلے بھیا! مجھ سے تو پوچھو کہ آخر میں نے تم کو سوتے سے کیوں اٹھایا؟"

"ہاں ہاں، بتاؤ بھلا ایسی کیا ضروری بات تھی؟"

"بلے بھیا! آپ کو وہ بچہ یاد ہے جو صبح دکان کے آگے کھڑا ہم سب کو دیکھ رہا تھا۔"

"ہاں ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے، وہ مجھے بھی بہت غور غور سے دیکھ رہا تھا۔" کرچ کی گیند فوراً بولی۔

"معلوم ہوتا ہے وہ بہت غریب بچہ ہے کیوں کہ اس کو چوکیدار نے دکان کے اندر بھی نہیں آنے دیا۔" ہاکی صاحبہ نے اپنی رائے پیش کی۔

"دوستو! جب ہی تو مجھے نیند نہیں آ رہی، بار بار اس بچے کا حسرت زدہ چہرہ آنکھوں کے سامنے آ رہا ہے۔" ٹک ٹک گیند آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

"ارے بہنا! اتنی ایموشنل نہ ہو، ہم تو انسانوں کی نظر میں صرف کھیل کا بے جان سامان ہیں، ہمارے احساسات کی انھیں کیا پروا۔" بلے میاں ٹک ٹک کو تسلی دیتے بولے۔

"کیوں دل چھوٹا کرتی ہو، تمہارے رونے سے کیا ہو سکتا ہے۔" دوسرے بلوں نے بھی تائید کی۔

ٹک ٹک کے اور بہن بھائی بھی اسے چپ کرانے لگے۔

"چلو بھئی! اب رات کافی ہو چکی سو جاؤ، صبح دکان دار سات بجے دکان کھول لیں گے، مجھے تو بہت نیند آ رہی ہے۔" فٹ بال بڑا سا منہ کھول کر جمائی لیتے ہوئے بولی۔

"جمائی منہ بند کر کے لینی چاہیے۔" سامنے لائن سے رکھی کرچ کی بالوں میں سے ایک منمنائی۔

"سوری بہنا! بھول گئی تھی، تمہارا شکریہ کہ تم نے یاد دہانی کروائی۔"

"کوئی بات نہیں۔" کرچ کی بال مسکرا کر بولی۔

اور پھر سب سونے کی تیاری کرنے لگے۔

دوسری صبح دکان کھلنے کے کچھ ہی دیر بعد گاہکوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی، کوئی گاہک بہت سا سامان خرید کر لے جاتا اور کوئی بھاؤ تاؤ کر کے بھی خالی ہاتھ نکل جاتا، یونہی صبح سے شام ہو گئی۔

آج پھر وہی بچہ دکان کے باہر کھڑا شیشے کے پیچھے رکھے کھیل کے سامان کو بڑی حسرت سے تک رہا تھا۔

ٹک ٹک کی نظر جونہی اس بچے پر پڑی تو زور سے چلائی۔ "وہ دیکھو۔۔۔"

آس پاس پڑی ساری فٹ بالز اور بلے ایک دم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ "کیا؟" سب یک زبان بولے۔

"وہی بچہ آج پھر کھڑا ہمیں دیکھ رہا ہے۔"

"اوہ! واقعی وہ بہت معصوم لگتا ہے۔" بلے میاں اس کو دیکھ کر افسردگی سے بولے۔

"کیا ہم اس کی کچھ مدد نہیں کر سکتے؟" ریکو نے پوچھا۔

"ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں؟ گاہک جب پیسے دکاندار کو دیتا ہے تب ہی ہم کو خریدا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔" بلے میاں مدبرانہ انداز میں گویا ہوئے۔ "ہمم یہ تو ہے۔" کرچ نے تائید کی۔

ہم خود سے ہل جل کر کہیں جا بھی نہیں سکتے، جب تک کوئی ہمیں ہاتھ میں نہ اٹھائے۔"

"ہاں، یہ بھی ہے۔" ٹک ٹک دھیمے سے بولی۔

"پھر ہم کیا یونہی اس بچے کی بے بسی کا تماشا دیکھتے رہیں۔" اوپر کے خانے میں رکھی ایک باسکٹ بال بولی۔

"ہم دعا ہی کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں۔" ٹک ٹک یہ کہہ کر خاموش ہی ہوئی تھی کہ ایک بچہ اپنے ابو کے ہمراہ دکان میں داخل ہوا اس نے کافی سارا کھیل کا سامان خریدا۔

دو ریکٹ دو بلے اور دو فٹ بال آخر میں اس نے چھوٹی ٹینس بال بھی اٹھا لی۔

ٹک ٹک بچے کے ہاتھ میں جا کر بہت خوش تھی، وہ دکان میں پڑے پڑے بور ہو چکی تھی، اب اس سے سب کھیلیں گے، اس خیال سے وہ بہت خوش تھی۔

وہ بچہ دونوں شاپر ہاتھوں میں لے کر خوشی خوشی دکان سے باہر چلا آیا۔

مگر باہر نکل کر جونہی اس کی نظر دکان کے سامنے کھڑے بچے پر پڑی تو اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ایک دم سمٹ گئی، اس کے تیزی سے بڑھتے قدم سست ہو گئے۔

"کیا ہوا بیٹے؟" ابو نے علی سے پوچھا۔

"ابو وہ دیکھیں۔" اس نے بچے کی جانب اشارہ کیا جو بڑی یاس سے وہاں پر رکھی چیزوں کو تک رہا تھا۔

"کیا تم اس کی مدد کرنا چاہو گے؟" انھوں نے پوچھا،

"جی ہاں ابو جی۔۔"

"ایک شاپر میں تو میرے دوست احمد کا تحفہ ہے، مگر دوسرے شاپر میں میری ہی کھیلنے کی چیزیں اور ٹینس بال ہے، میں اپنی کھیلوں کی چیزیں اس بچے کو دینا چاہتا ہوں تاکہ وہ بھی جی بھر کر ان سے کھیلے اور خوش ہو سکے۔"

"بہت اچھی بات ہے میرے بیٹے! چلو آؤ، اس بچے کے پاس چلیں۔"

ان کے ابو یہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ آگے بڑھے۔

"سنو دوست!" علی نے پیار سے اس بچے کو پکارا۔

طاہر نے حیران ہو کر پاس کھڑے بچے کو دیکھا۔

جو بے تکلفی سے اسے دوست کہہ کر اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔

اس کے کئی جگہ پیوند لگے کپڑے با خوبی اس کے حالات کی خبر دے رہے تھے۔

سمیرا انور

زینب کا محل

پھولوں کی مہکار نے اس کے ارد گرد مسحور کن ہالہ سا بنا رکھا تھا۔ وہ آگے بڑھتی جارہی تھی۔ نور ہی نور تھا۔ انگوروں کے باغ اور ان کے ارد گرد بہتی میٹھے پانی کی نہریں اسے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ سرخ انار سورج کی کرنوں کی طرح چمک رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنی دنیا سے بہت دور تھی۔ پُر نور فضا میں بادلوں کا پہرا تھا۔ وہ کچھ فاصلے پر موجود چشمے کے قریب بیٹھ گئی۔

زینب نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا کہ جس نے اسے ہر رشتے اور ہر نعمت سے نوازا تھا۔ زینب کو ہمیشہ یہ سوچ کر خوشی ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ جس نے انسان کو نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ سے نوازا تھا اور انھی کی تعلیمات پر عمل کر کے انسان زندگی کی حقیقی روح کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

درود پاک کی کثرت تو پورا سال ہی اس کی زبان پر رہتی تھی، لیکن ربیع الاول میں یہ اہتمام کئی گنا بڑھ جاتا تھا۔ اسے پتا تھا یہ مہینا پیارے آقا ﷺ کی دنیا میں آمد کا مہینا ہے۔ درود شریف کا ورد کرتے وقت ایک میٹھی سی لذّت وہ اپنے ہونٹوں پر محسوس کرتی تھی۔ وہ درود شریف پڑھے بغیر سوتی نہیں تھی۔ زینب چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتی رہتی تھی۔ اسے درود شریف پڑھنے سے خاص لگاؤ اس وقت پیدا ہوا جب اس نے قرآن کریم کی ایک آیت کا ترجمہ پڑھا تھا: ”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود شریف پڑھا کرو۔“ اللہ تعالیٰ خود اپنے نبی پر درود بھیجتے ہیں، یعنی ان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں ہم تو آپ ﷺ کی امت ہیں۔ ہمیں تو ان پر زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنا چاہیے۔

”زینب! کیا یہ تمہاری تسبیح ہے؟“ اچانک کسی نے پوچھا تو زینب نے دیکھا کہ چشمے کے پانی میں ایک بڑا سا تھال تیر رہا تھا اور تھال کے اندر اس کی تسبیح تھی۔ اس کی تسبیح تو نماز والے کمرے میں تھی، اب یہاں کیسے آگئی۔ تھال زینب کے قریب آگیا اس نے اپنی تسبیح اٹھانا چاہی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ تسبیح کے دانے ایک ایک کر کے چشمے میں غائب ہوگئے۔ وہ تسبیح تو زینب کو بہت عزیز تھی، کیوں کہ وہ ہمیشہ نماز کے بعد اور چلتے پھرتے اسی پر درود شریف پڑھا کرتی تھی۔ زینب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اب وہ اپنی تسبیح کیسے تلاش کرے گی؟ ابھی وہ یہ سوچ رہی تھی کہ چشمے سے ایک سنہری مچھلی نے سر نکالا۔ زینب نے دیکھا تسبیح اس کے منہ میں تھی۔ اس کے دیکھتے دیکھتے تسبیح کے دانوں سے ایک بڑا سا محل تیار ہوگیا۔ محل کی خوب صورتی دیکھ کر زینب حیران رہ گئی۔ ہر طرح کا پھل، پھول اور زندگی کی ہر آسائش اس میں موجود تھی۔

”یہ تمہارا محل ہے زینب۔“ مچھلی کی بات سن کر زینب بہت خوش ہوئی۔

تسبیح سے محل کیسے بن گیا؟ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ مچھلی بولی: ”زینب یہ تمہارے درود پاک پڑھنے کا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلے اور چھوٹے سے انعام سے ابھی نوازا ہے۔ ابھی تم آگے دیکھنا کہ درود شریف پڑھنے کی فضیلت سے تمہیں کیا کچھ ملے گا۔“

زینب مچھلی کی بات سن کر مسکرائی اور اپنے محل میں داخل ہوگئی۔ ایسا محل زینب نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہیرے اور موتیوں سے سجی ایک صف بچھی تھی اور اس پر وہی تھال پڑا تھا جس میں زینب کی تسبیح موجود تھی۔ زینب نے بھاگ کر تسبیح اٹھالی۔ اسی وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔ ”کیا وہ سب خواب تھا؟“ زینب نے اپنے چاروں طرف دیکھا، لیکن وہاں ایسا کچھ نہیں تھا جو اس نے ابھی ابھی خواب میں دیکھا تھا۔ اسے ایک خاص قسم کی خوشبو محسوس ہوئی، وہ سمجھ گئی یہ درود شریف کی برکت سے ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ درود شریف پڑھنا وہ واحد عبادت ہے جو ہر حالت میں قبول ہوتی ہے اور اس کا اجر و ثواب دوسری عبادات سے کہیں زیادہ ہے۔

”دوست یہ تمہارے لیے۔۔“ علی نے طاہر کی جانب جونہی شاپر بڑھایا اس نے نفی میں گردن ہلادی۔

”رکھ لو بیٹا ایک دوست کی طرف سے تحفہ سمجھ کر۔“ علی کے ابو نے طاہر کا حوصلہ بڑھایا تو اس نے جھجکتے ہوئے شاپر لے لیا۔

اس وقت اس کا چہرہ سچی خوشی سے دمکنے لگا۔

اور علی کا دل بھی اس کو خوش دیکھ کر بہت خوش ہوگیا تھا۔ اسے اپنی چیزیں اس بچے کو دینے پر ذرا بھی دکھ نہ تھا۔ علی کے ابو نے طاہر سے اس کے گھر کا پتہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ یہی قریب ہی کچی بستی میں رہتا ہے۔ ابو نے جیب سے کئی سرخ نوٹ نکال کر اسے دینے چاہے تو اس نے انکار کر دیا کہ ”انکل میں پیسہ مانگنے والا نہیں ہوں، محنت کر کے کماتا ہوں اور یہ سامنے جو مکینک کی دکان ہے، میں وہیں کام کرتا بھی ہوں اور سیکھتا بھی ہوں۔“

علی نے حیرت اور دکھ سے اس چھوٹے لڑکے کی بات سنی وہ تو دیکھنے میں علی سے بھی چھوٹا لگ رہا تھا، مگر وہ اتنی چھوٹی عمر سے ہی محنت کر رہا تھا۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا۔۔ محنت میں عظمت ہے۔ ہم جلد ہی تمہارے گھر تم سے ملنے آئیں گے۔“ وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

”کیا واقعی؟“ طاہر نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں بالکل، میں بھی ابو کے ساتھ تمہارے گھر ضرور آؤں گا۔“

یہ سن کر طاہر بہت خوش ہوا کہ اسے اچانک ایک بہت اچھا دوست مل گیا تھا جو اس کے گھر بھی آئے گا۔ وہ علی اور اس کے ابو کا شکریہ ادا کر کے خوشی خوشی گھر کی جانب چل پڑا۔

شیشے کے اس پار کا یہ منظر دکان کے اندر رکھے فٹ بال بلے میاں ریکو اور سبھی چیزوں نے بڑی حیرت اور خوشی سے دیکھا علی کے ایثار نے سب ہی کو اس کا گرویدہ کر دیا۔ کچھ دیر پہلے سب طاہر کے لیے افسردہ تھے، مگر اب ان کے درمیان خوشی کی لہر سی دوڑ گئی۔

اور طاہر کے شاپر میں موجود ٹک ٹک کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، وہ جس بچے کے لیے کل رات آنسو بہا رہی تھی، اب اس کے ساتھ کھیلنے کے خیال سی بہت بہت زیادہ خوش تھی۔

پیارے بچو! اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دوسروں کا احساس کرنا اور کسی کی خواہش کو اپنی استطاعت کے مطابق پورا کرنا یا کسی ضرورت مند کی مدد کرنا یا پھر کسی کا غم خوشی میں بدلنا بھی بہت بڑی نیکی ہے۔

خارپشت (سیہ)

فوزیہ خلیل

اسکول سے بچوں کی چھٹیاں ہو چکی تھیں۔ گھومنے پھرنے کے پروگرام بنائے جا رہے تھے۔ آخر کار طے پایا کہ چڑیا گھر کی سیر کی جائے۔ بچے بے حد پُرجوش تھے۔ اُن کو نئے نئے جانور دیکھنے اور اُن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔

دادا جان نے تمام بچوں سے کہا تھا کہ جو چڑیا گھر سے واپسی پر ایک کتابچہ ترتیب دے گا اور اُس میں بہترین معلومات جمع کرے گا اُس کو انعام ملے گا۔

آخر کار اتوار والے دن سارے بچے چڑیا گھر پہنچ گئے۔

"میں گرگٹ کے بارے میں معلومات جمع کروں گا۔" ابو بکر کہہ رہا تھا۔

"میں پرندوں کے بارے میں۔" خدیجہ بولی۔

"میں جنگلی بھینسوں کے بارے میں۔" حرا نے جلدی سے کہا۔

سب نے دیکھا احمد عمر بالکل خاموش تھا، اُس کے ہاتھ میں اُس کی نوٹ بک تھی۔ خارپشت اُس کی توجہ کا مرکز تھے۔ وہ گھر میں بھی خارپشت کے بارے میں پڑھتا رہا تھا۔

سارے بچے خارپشت کے پنجرے کے گرد جمع ہو گئے۔

"اوہو! یہ کیسا جانور ہے۔ اُف کتنے کانٹے ہیں اس پر۔" حرا بولی۔

"ہاں، اس کے جسم میں تیس ہزار کے قریب خاردار بال ہوتے ہیں۔ یہ لمبے اور موٹے ہوتے ہیں۔ نلکی کی طرح خول دار ہوتے ہیں۔ عموماً کھجانے میں یہ بال جھڑ کر گر بھی جاتے ہیں۔" احمد عمر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہ اپنے کانٹے لڑائی جھگڑے میں استعمال کرتا ہو گا۔" خدیجہ بولی۔

"ہاں، یہ جانور اپنی حفاظت خود کرتا ہے۔ دشمن اس پر حملہ کر دے تو یہ اپنے نوکیلے کانٹے یا خاردار بال کھڑے کر لیتا ہے۔ دشمن ان کے چبھنے سے زخمی ہو جاتا ہے۔ اندھا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ اپنی دُم لہرا لہرا کر دشمن کو بری طرح مارتا ہے اور عام طور پر اُسے ختم کر دیتا ہے۔" احمد عمر نے بچوں کو تفصیل سے بتایا۔

"اوہو! یہ کیا کھا رہا ہے؟" خدیجہ نے جھک کر پنجرے میں جھانکا۔

"بیری، بیج، پتے، جڑیں، تنے پھل اور سبزیاں اس کی خوراک ہیں۔ اس کے منہ میں پانچ دانت ہوتے ہیں۔" احمد عمر ہر بات کا متانت سے جواب دے رہا تھا۔ وہ کافی کچھ پڑھ کر بھی آیا تھا اور اب مشاہدہ بھی کر رہا تھا۔

"یہ دنیا میں کہاں کہاں ہوتے ہیں؟"

"یہ آسٹریلیا کے سوا ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی بلوچستان کے پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ چٹانوں کو کھود کر اپنا بِل بناتے ہیں۔ ایک بِل میں کئی خارپشت ہوتے ہیں۔ یہ درختوں پر بھی چڑھ جاتے ہیں۔ چھلانگیں بھی لگاتے ہیں۔ درختوں کے کھوکھلے تنوں میں بھی رہتے ہیں اور زمین کے نیچے بھی ٹھکانے بنا لیتے ہیں۔ یہ بہترین تیراک بھی ہوتے ہیں۔" اُس نے بچوں کو بتایا۔

"کیا ان کو پالا جا سکتا ہے؟ کیا ان سے دوستی کی جا سکتی ہے۔؟" ابو بکر نے عجیب سوال کیا۔

دادا جان بھی پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے، وہ غور سے سن رہے تھے کہ احمد عمر کیا جواب دیتا ہے۔

"ہاں، ان کو پال سکتے ہیں۔ یہ دوستی بھی کر لیتے ہیں اور اپنے مالک سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ ان کی حفاظت کرو تو یہ ۱۷-۱۸ سال جی لیتے ہیں، ویسے جنگلوں میں ان کی حیات کا دورانیہ ۵ سے ۷ سال ہوتا ہے۔" دادا جان یہ جواب سن کر مسکرائے۔

"احمد عمر، خارپشت کے بارے میں اور کوئی خاص بات۔" دادا جان نے پوچھا۔

"ان کی نظر کمزور ہوتی ہے۔ البتہ ان کی سماعت یعنی سننے کی طاقت عمدہ ہوتی ہے۔ سونگھنے کی صلاحیت بھی بہترین ہوتی ہے اور ان کے جو کانٹے ہوتے ہیں، ان کے بارے میں سنا گیا ہے کہ اُن میں اینٹی بایوٹک خصوصیات پائی جاتی ہیں۔" احمد عمر نے جواب دیا۔

"خارپشت انڈے دیتا ہے کیا؟" حرا نے پوچھا۔

"نہیں جی، یہ انڈے نہیں دیتا، یہ بچے دیتا ہے۔"

"یہ کتنا آہستہ چل رہے ہیں ناں، بہت تیز نہیں بھاگ پا رہے۔" خدیجہ ان کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں، یہ تیز رفتار جانور نہیں ہیں۔"

"احمد عمر، ایک بات تو بتاؤ، یہ کانٹے دار جانور ہیں۔ کیا بھلا کوئی جانور اس کو شکار کر سکتا ہے؟" دادا جان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی، فشر نامی جانور اس کو شکار کر لیتا ہے۔ خارپشت کے چہرے پر کانٹے نہیں ہوتے تو وہ اس کے منہ پر ہی حملہ کرتا ہے۔ خارپشت اپنا منہ بچانے کی کوشش کرتا ہے، وہ اپنا چہرہ درختوں کی جانب کر لیتا ہے، مگر فشر دوسری جانب سے آتا ہے اور اس کو اپنا منہ درخت کی جانب نہیں کرنے دیتا۔ وہ اس کے منہ ہی منہ پر حملے کرتا ہے اور اس طرح اس کو مار دیتا ہے۔ بھیڑیے بھی خارپشت کا شکار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی کچھ جانور ہیں۔" اُس نے تفصیل سے جواب دیا۔

"زبردست۔" دادا جان نے خوشی کا اظہار کیا۔

"یہ چوہے سے کتنی مماثلت رکھتا ہے ناں!" ابو بکر بولا۔

"ہاں، یہ چوہے سے ملتا جلتا ہے، بلکہ کچھ جگہوں پر تو اسے پہاڑی چوہا بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی کمر قوس کی طرح اٹھی ہوئی ہے اور ٹانگیں چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔"

"کیا یہ بالکل خاموش رہتے ہیں؟"

"ارے نہیں، یہ مختلف طرح کی آوازیں نکالتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی خاموش رہنے والا جانور نہیں ہے۔" احمد عمر نے فوراً کہا۔

تمام بچے دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ احمد عمر کا نہ صرف مشاہدہ بلکہ مطالعہ بھی بہت وسیع ہے اور ضرور آج کے خصوصی انعام کا وہی حق دار ہو گا۔

BAITUSSALAM

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

حالیہ بارشوں اور سیلاب سے متاثرین کیلئے غذائی اجناس اور خیموں کی فراہمی

(SADQAH)

Meezan bank
Ac Title:
BAIT-US-SALAM WELFARE TRUST
Account No: **0127-0104048083**
IBAN:**PK78MEZN0001270104048083**

Bank Islami
Ac Title:
BAIT-US-SALAM WELFARE TRUST
Account No: **1024-1030884-0001**
IBAN:**PK49BKIP0102410308840001**

(ZAKAT)

Meezan bank
Ac Title:
BAIT-US-SALAM WELFARE TRUST
Account No: **0127-0104048079**
IBAN:**PK89MEZN0001270104048079**

Bank Islami
Ac Title:
BAIT-US-SALAM WELFARE TRUST
Account No: **1024-1030892-0001**
IBAN: **PK45BKIP0102410308920001**

Baitussalam USA بیت السلام

Bank of America
Ac Title:**Baitussalam USA**
AC#:**325167671468**

Zelle
donation@baitussalamusa.org

PayPal
PayPal.me/BaitussalamUSA

donations@baitussalam.org +92 21 111 298 111 +1(954)820-4916 **donation**@baitussalam**usa**.org

رقم ٹرانسفر کرانے والے حضرات بیت السلام پاکستان/(یو ایس اے) کو بذریعہ ای میل یا واٹس ایپ اطلاع ضرور کریں۔ سات دن کے اندر اطلاع نہیں کی تو ادارہ اس کو شرعی ضابطوں کے مطابق کسی بھی فلاحی کام میں استعمال کر سکتا ہے۔

بچوں کے فن پارے

حسان قیصر ،12 سال درجہ حفظ ،کراچی

جویریہ بنت عبد الرحمن ، ملتان

محمد ہشام 12 سال درجہ حفظ ،جامعہ بیت السلام کراچی

عبدالرحمن سوات 5 سال

سارہ عمیر کراچی

محمد عزیر ، دس سال کراچی

عائشہ فاطمہ کراچی

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ عفرا نوید کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے،
انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

ماہنامہ فہم دین
اکتوبر 2022ء کے سوالات

سوال 1: نسیم بیگم شاہ زین کی کون تھیں؟

سوال 2: ننھی کیا ساتھ لے جانے پر بضد تھی؟

سوال 3: دانش اور ولید جشن آزادی کا مطلب کیا سمجھے تھے؟

سوال 4: گھر برائے فروخت کا پرچہ کس نے لگوایا تھا؟

سوال 5: جگنو کے مرغا مرغی کے نام کیا تھے؟

سنیے!!!

آپ کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ ربیع الاول کا مہینا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی وجہ سے کتنا معتبر مہینا ہے۔۔۔

اس مہینے کا احترام کرنا چاہیے۔۔۔

کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو ہمارے نبی ﷺ کو ناگوار ہو۔۔۔یہی محبت بھی ہے۔۔۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔۔۔

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ میرے ساتھ اپنے والد، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ کرے۔" (صحیح بخاری)

تو پیارے بچوں۔۔۔ حضور سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اپنی زندگی میں لائیں۔۔۔اور حضور کی محبت میں کسی کی پروانہ کریں۔۔۔

چوبیس گھنٹے سنتوں پر چلیں۔۔۔

اور خوب خوب درود پاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائیں۔۔۔۔

تو پیارے بچوں۔۔۔ کرتے ہیں ناوعدہ!

جولائی 2022ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

جواب 2: سبز نگر

جواب 3: چاند کی وجہ سے سمندر کی لہروں میں اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے۔

جواب 4: علی

جواب 5: بلوویل

جولائی 2022ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر کراچی سے
نغمانہ بنت اسلم
کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

بلا عنوان کا عنوان

جولائی ۲۰۲۲ کے شمارے میں قرات گلستان کی بلاعنوان کہانی پر کراچی سے

حمیدہ اکرم

کا عنوان انعامی قرار پایا ہے انہوں نے عنوان دیا ہے

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام، عمر کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں

03351135011

اتنے سلام آپؐ پر جن کا نہ ہو سکے شمار

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ

آپؐ کی نعت کیا کہوں؟ سیّدِ خلقِ کردگار!
جلوہ گرِ اَلست کے سب سے حسین شاہکار
آپؐ کے وصف میں سدا لفظ و بیاں فگندہ سر
آپؐ کی نعت کے حضور شعر ہمیشہ شرمسار
کون و مکاں کی رفعتیں آپؐ کے نقشِ پا کی دھول
شمس و قمر کے دائرے، آپؐ کی راہ کا غبار
آپؐ ہیں قلب و روح کی سلطنتوں کے تاجور
آپؐ ہیں بامِ قدس پر حسنِ ازل کے رازدار
سیرت و سنت آپؐ کی، باغِ ارم کی راہبر
جس سے ضمیر پُرسکوں، جس سے حیات پُر بہار
ارض و سما سے عرش تک آپؐ کی عظمتوں کی دھوم
پھر بھی ہمارے درد میں فرشِ زمیں پہ اشکبار
آپؐ کی اتباع میں دونوں جہان چمن چمن
زیست بھی جس سے دلنواز، گور و کفن بھی لالہ زار
آپؐ کی ٹھوکروں میں ڈھیر، سارے جہاں کی دولتیں
پھر بھی قبائے مسکنت آپؐ نے کرکے اختیار
کیسا سکوں دلا دیا دنیا کے ہر غریب کو

میری برادری میں ہیں دونوں جہاں کے تاجدار

آپؐ سے پہلے ہر طرف ظلم و ستم کا راج تھا
آپؐ کے دم سے کھِل اٹھی عدل کی فصلِ نو بہار

آپؐ کے دم سے دور کی خالقِ کائنات نے
روحِ زمیں کی تشنگی، چشمِ فلک کا انتظار

صدیوں سے جو حقیقتیں گمراہیوں میں دفن تھیں
آپؐ کی اک پکار سے ہو گئیں ساری آشکار

وہم و گماں کے دشت میں بھٹکے ہوئے تھے قافلے
آپؐ کے دم سے پا گئے علم و یقیں کا قرار

جہل کا میل اتار کر، وہم کی گرد جھاڑ کر
اُمیؐ نے لہلہا دیے حکمتِ دیں کے سبزہ زار

اتنے درود آپؐ پر جتنی خدا کی نعمتیں
اتنے سلام آپؐ پر جن کا نہ ہو سکے شمار

آپؐ کی دید سے حضورؐ! موت بھی میری عید ہو
داورِ حشر کا کرم سن لے یہ روح کی پکار

معدنِ علم و حلم کے آپؐ ہیں گوہرِ یتیم
محفلِ زیست ہے سدا جس کی ضیا سے تابدار

ٹوٹے دلوں کے چارہ گر، آپؐ کی گفتگو کے پھول
مرہمِ زخمِ زندگی آپؐ کی تیغ آب دار

آپؐ ہی افضل الرسلؐ، آپؐ ہی خاتم الرسلؐ
حلقۂ انبیائؑ میں آپؐ اوّل و آخرِ قطار

آپؐ کے در کی رفعتیں، میرے بیاں کی عاجزی
بس یہی اشک تھے حضورؐ! جن کو میں کرسکا نثار

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

آرڈر کس کا جاری ہے؟

عالمِ اسباب پر نظر کی جائے تو ہزاروں عیب نظر آئیں گے۔۔۔حکومت میں، سیاست میں۔۔۔اہلِ علم سب میں نظر آئیں گے۔۔۔مگر دیکھنا یہ ہے کہ مشیت کس کی جاری ہے؟ کیا کوئی سیاست۔۔۔حکومت اس کی مشیت کے خلاف ہوسکتی ہے؟۔۔۔بالکل نہیں۔۔۔سب ان کی مشیت کے عین مطابق ہورہا ہے۔۔۔مثال اس کی سوئیوں میں ہے جیسے قطب نما۔۔۔اس کی سوئیوں کو چاروں طرف گھمائیے۔۔۔اس کا رجوع اور اس کی توجہ مرکز کی طرف ہوگی۔۔۔اور اس کا قرار اسی طرف ہوگا۔۔۔اسی طرح ایک صاحب ایمان ہے، جس کے اندر ایمانی قوت ہے۔۔۔وہ ہزار مرتبہ متزلزل ہو، ہزاروں پریشانیاں آئیں، مصیبتیں آئیں، مگر جوں ہی اس کو سکون ہوگا، فوراً توجہ الی اللہ ہوگی۔۔۔ایمانی تقاضے ابھر آئیں گے، کیوں کہ اس کی خاصیت ہی یہی ہے۔۔۔کہ وہ اپنے مرکز کی طرف ضرور متوجہ ہوتا ہے، ہم لوگوں کے پاس جو ایمانی قطب نما ہے۔۔۔اس کا رجوع ہمیشہ مرکز کی طرف ہونا چاہیے۔

یادگار باتیں، محمد اسحاق ملتانی، ص:150

نعت

روزِ الست کیسا سماں پُر بہار تھا
ہر ایک مست بادۂ دیدارِ یار تھا
جوآسمان کے گنبد بےدر کے پار تھا
محبوبِ حق براق کا وہ شہ سوار تھا
مومن ہر ایک عہدِ رسالت مآب میں
پروانہ وار شمع نبیؐ پر نثار تھا
یوسف وہاں بکے تھے یہاں جان ودل بکے
بازارِ مصر وہ، یہ نبیؐ کا دیار تھا
عرفاں کا میکدہ تھا مدینہ بنا ہوا
چشمِ نبیؐ سے مست ہر ایک بادۂ خوار تھا
فانوس بے شمار تھے اور شمع ایک تھی
ہر اک نبی حضورؐ کا آئینہ دار تھا
عشقِ رسولؐ پاک نے بخشا مجھے سکوں
ساجد یہی علاجِ غمِ روز گار تھا

نعت: ساجد اسدیؔ

حکم اور مشورے میں فرق

شریعت کا یہ حکم بتادیا گیا کہ جب کوئی بڑا کسی کام کو کہے تو پہلے یہ اندازہ کرلو کہ آیا وہ حکم دے رہا ہے یا مشورہ دے رہا ہے، اگر حکم دے رہا ہے تو اس کی بات ماننی چاہیے، مثلاً باپ یا استاد یا شیخ کسی بات کا حکم دے رہے ہیں تو ان کی بات ماننی چاہیے، لیکن اگر مشورہ دے رہے ہیں تو مشورے کے اندر دونوں راستے کھلے ہیں۔ لہٰذا جب حضورِ اقدس ﷺ نے اپنا مشورہ نہ ماننے پر برا نہیں منایا تو ہم اور آپ کیوں برا مناتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو یہ مشورہ دیا تھا، لیکن ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا۔

خوب سمجھ لیجیے کہ دوسرے کو مشورہ دیتے وقت یہ ذہن میں نہ رکھیں کہ وہ ہمارا مشورہ مانتا ہے یا نہیں مانتا، بس اپنی طرف سے آپ صرف اس بات کے مکلّف ہیں کہ دیانت دارانہ طور پر اس کی خیر خواہی کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جو مشورہ دینا چاہیں وہ دے دیں، آگے اس کو اختیار ہے اور آپ سے آخرت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ اس نے آپ کے مشورے پر کیوں عمل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو داروغہ نہیں بنایا ہے، آپ کا فرض ادا ہوگیا، اب اس کا کام ہے کہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، ج : 11 ص 49:

پاکیزہ گھرانا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانا ہجرت کی تیاری میں شامل رہا، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی اہلیہ ان کے بیٹے، بیٹیاں، غلام سب عظیم اجر و ثواب کے مستحق ٹھہرے۔۔۔۔ مکہ مکرمہ سے لے کر مدینہ منورہ پہنچنے تک سفرِ ہجرت کے تمام مراحل میں اس گھرانے کی وفاداریاں، محبّتیں، دعائیں اور محنتیں شامل رہیں، سب دین کے مجاہد اور سب کے سب حضور ﷺ کے محافظ تھے، رفیقِ سفر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بنے، زادِ راہ بھی اسی گھر سے تیار ہوا، اہلِ مکہ کی خبریں بھی یہی لوگ پہنچاتے رہے، غار تک خوراک کا انتظام بھی انہی کے سپرد ہوا۔۔۔۔ غرض راہ ہجرت کا کوئی پل اس گھرانے کی قربانی کے بغیر طے نہیں ہوا، اس اعزاز میں کوئی مسلم گھرانا اس پاکیزہ گھرانے کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

ہجرت خیر البشر، ابو محمد عبدالمالک، ص: 115

احساسِ شکر

ایک صاحب نے ظہر کی نماز پڑھی، تنگ دستی اتنی تھی کہ جوتا بھی ٹوٹ گیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ گرم زمین پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے یہ مسجد سے گھر کی طرف لوٹنے لگے تو دل میں خیال آیا پروردگار! میں تو آپ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں، نمازیں پڑھتا ہوں، مسجد کی طرف آتا ہوں، مجھے تو آپ نے جوتا بھی عطا نہ کیا۔ ابھی یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے سے ایک لنگڑے آدمی کو آتے دیکھا، وہ بیسا کھیوں کے بل چل کے آرہا تھا۔ فوراً دل پر چوٹ لگی کہ اوہو! میں تو جوتے کے نہ ہونے کا شکوہ کرتا رہا، یہ بھی تو انسان ہے جسے پروردگار نے ٹانگیں بھی عطا نہ کیں، یہ لکڑیوں کے سہارے چلتا ہوا آرہا ہے تو جب اپنے سے نیچے والے کو دیکھا تو دل میں شکر کی کیفیت پیدا ہوئی۔

سکونِ قلب، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، ص:200

روم پر قبضہ

روم کے لشکروں کا اونچے ٹیلوں میں مقامِ یرموک کے کنارے پر درع کے قریب شکست کے بعد اور ان کے لشکر کی ایک بڑی قسم کی ہلاکت کے بعد اسلامی قوتوں نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دمشق پر چڑھائی کردی، اس نے ان کو شکست دی اور بعض نے ان ہی میں سے دوسرے شہروں پر چڑھائی کردی اور ان شہروں کو بھی فتح کرلیا اور سلطنتِ روم کے بادشاہ ہرقل کے شکست خوردہ لشکر سے ملنے کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ وہ طورس کے پہاڑوں تک پہنچ گئے اور اس کے ساتھ ہی سوریا اور فلسطین پر غلبہ حاصل ہوگیا۔

تاریخ اسلام، ابراہیم شریقی، ص : 86

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے، جس کی پردہ داری ہے
(مرزا اسد اللہ خان غالبؔ)

عجیب درد ہے اُس باخدا کے لہجے میں
وہ ٹوکتا ہے خطا پر عطا کے لہجے میں
(خالد اقبال تائبؔ)

غم کے بھڑکتے شعلوں سے جب جل کے کلیجہ خاک ہوا
داغِ وجودِ حسرت سے تب دل کا دامن چاک ہوا
(شوکت علی خان فانی)

ہر موج ہوا زلفِ پریشانِ محمدؐ
ہے نورِ سحر صورتِ خندانِ محمدؐ
(اصغر گونڈوی)

ملک کی ہم سب پہ خدمت فرض ہے
اس طرح جیسے عبادت فرض ہے
(اعجاز درانی)

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
(علامہ اقبالؒ)

بچے کا رونا

والدین کو بچے کے رونے چیخنے چلانے سے پریشان نہیں ہونا چاہیے، خصوصاً جب وہ بھوک کی وجہ سے دودھ کے لیے رو رہا ہو رونے سے بچے کو بہت فائدہ ہوتا ہے، اس کے اعضا بڑھتے ہیں اور انتڑیاں کھلتی ہیں، سینہ کشادہ ہوتا ہے، دماغ گرم ہوتا ہے، طبیعت میں گرمی آتی ہے اور اس کی قدرتی حرارت جوش مارتی ہے اور وہ اپنے جسم سے فضول چیزیں دور کرنے کے لیے اسے ہلاتا ہے، اس سے دماغ کے اندر موجود اضافی رطوبتیں جیسے ناک نزلہ وغیرہ دور ہوجاتی ہیں۔

دل

دل کی ہزار آنکھیں ہوتی ہیں، مگر یہ محبوب کے عیبوں کو نہیں دیکھ سکتا۔
حکمت ایک ایسا درخت ہے جو دل سے اُگتا ہے۔
دل کا سکون چاہتے ہو تو حسد سے دور رہو۔
دل اگر سیاہ ہو تو چمکتی ہوئی آنکھ بھی کچھ نہیں کرسکتی۔
اگر کسی کے دل میں جگہ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کا پورا نام لے کر پکارو۔
کتنے حسین ہیں وہ لوگ جو کسی کے دل کا سکون اور آنکھوں کا نور ہیں۔

گل دستہ، انیسہ روشن، ص:64

ملک بھر میں سیلاب زدگان اور متاثرین بارش کے لیے

اربوں روپے کی تاریخی، مثالی امدادی مہم جاری

رپورٹ: خالد معین

جولائی میں بلوچستان میں طوفانی بارشوں کے شروع ہوتے ہی بیت السلام نے امدادی مہم شروع کردی تھی، پھر جوں جوں بارشوں میں تیزی آتی گئی سیلاب آنے لگا بیت السلام نے اپنی مہم ملک بھر میں پھیلادی، ہزاروں روپے سے شروع ہونے والی یہ مہم دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں کروڑوں اور اب اربوں روپے تک پہنچ گئی ہے۔ بیت السلام نے جیسے فوری امدادی مہم میں پہل کی تھی ایسے ہی تباہ شدہ مکانات اسکولوں کی تعمیر کا بھی سب سے پہلے آغاز کیا اور ساتھ ہی ساتھ ان بے روزگار افراد کے لیے فراہمی روزگار کا سلسلہ بھی شروع کردیا جو اس آفت کی وجہ سے اپنی آمدن سے محروم ہوگئے، جن کے جانور مر گئے دکانیں ہوٹل اور آمدن کے دوسرے ذرائع تباہ ہونے کی وجہ سے ان کی بے روزگاری خوف ناک مصیبت کی شکل میں ان کے سامنے ہے۔

ذیل میں اس وقت جاری امدادی مہم ایک نظر میں پیش کی جارہی ہے۔ یہ امدادی مہم ملک بھر کے 38 اضلاع کی 120 تحصیلوں کے سینکڑوں مقامات کے لاکھوں لوگوں تک پہنچ چکی ہے اور مسلسل جاری ہے۔

امدادی اشیاء	مستفید
غذائی اشیاء	تقریباً 13 لاکھ
خیمے	43 ہزار سے زیادہ افراد
لباس	38 ہزار سے زیادہ افراد
ضروری اشیاء	60 ہزار سے زیادہ افراد کے لیے
علاج	سوا لاکھ سے زیادہ افراد
مچھروں سے بچاؤ کا سامان	22 ہزار سے زیادہ افراد کے لیے

یہ مہم جاری و ساری ہے اہل خیر بیت السلام پر اعتماد کررہے ہیں بیت السلام ان کے اموال امانت سمجھ کر وصول کرتا اور دیانت کے ساتھ خرچ کررہا ہے۔ بیت السلام کے رضاکار دن رات مشکل میں پھنسے بھائی بہنوں کی مدد اور آسانی کے لیے کام کررہے ہیں۔

J.
FRAGRANCES
BLESS
POUR HOMME
J.
BLESS
POUR HOMME
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J. Fragrances & Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed

Yameen®
Innovation With Comfort
Winter Collection
AVAILABLE AT RETAIL STORES & ONLINE
MEN'S UNSTITCHED FABRIC
www.yameenfabrics.com